کسریٰ منہاس
پبلشرز: نقوش ○ اردو بازار ○ لاہور

کسریٰ منہاس صاحب کی تحریریں جب بھی 'نقوش' لاہور میں شائع ہوئیں میں نے دلچسپی سے پڑھیں اور مستفیض ہوا ۔ ان کے اندازِ تحقیق اور مواد کو سمیٹ کر بیان کرنے کے سلیقے نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ۔ تحریروں سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ دھیمے مزاج کے خوش طبع اور نفاست پسند انسان ہوں گے ۔ رکھ رکھاؤ کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے وضع دار شخص ۔ جب کبھی لاہور میں 'نقوش' کے دفتر جانے کا اتفاق ہوتا تو عام طور پر تیسرا پہر ہوتا اس وقت وہاں سوائے محمد طفیل صاحب کے کوئی نہ ہوتا ۔ تین سال پہلے جب میں صبح کے وقت نقوش کے دفتر گیا تو وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ اُجلا رنگ ، کھڑا ناک نقشہ ، کتابی چہرہ ، بھرے بھرے گال ، نکلتا ہوا قد ، سر پر جناح ٹوپی اور سفید قمیص شلوار میں ملبوس ۔ کوئی اسّی کے پیٹے میں ہوں گے ۔ جاوید طفیل صاحب نے تعارف کرایا ۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرتِ کسریٰ منہاس ہیں ۔ شرافت اور انکساری نے فورآ دل موہ لیا ۔ خوشی اس لیے بھی ہوئی کہ میں نے اُن کی تحریریں پڑھ کر جس قسم کے انسان کا تصور کیا تھا وہ کم و بیش ویسے ہی نکلے ۔ خاصی دیر میں ان سے گفتگو کرتا رہا ۔ پوچھتا رہا آج کل کیا لکھ رہے ہیں ۔ طبیعت کیسی ہے ؟ کہنے لگے : صحت تو ٹھیک ہے لیکن آنکھیں اور گھٹنے جواب دے رہے ہیں ۔ ان کے انداز میں صبر و شکر شامل تھا ۔ بہت دیر تک لاہور اور لکھنؤ کی ادبی محفلوں کا ذکر کرتے رہے ۔ اصلاحِ سخن کی باتیں کرتے رہے اور پھر کچھ رُک کر کہنے لگے کہ انھوں نے تاریخ گوئی کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی ہے جو نقوش پریس سے شائع ہو رہی ہے ، اگر آپ اس پر "کچھ" لکھ دیں تو کیا اچھا ہو ۔ میں نے ہامی بھر لی اور یہ سطور اسی فرمایش کا نتیجہ ہیں ، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نوعیت کے اعتبار سے ، یہ ایک ایسی منفرد کتاب ہے کہ اسے کسی تعارفی تحریر کی ضرورت نہیں ہے ۔

کسریٰ منہاس صاحب کی اس کتاب کے دو پہلو ہیں : ایک یہ کہ انھوں نے تاریخ گوئی کی تاریخ ، مُستند اور قدیم مآخذ سے استفادہ کر کے ، بیان کی ہے اور دوسرے یہ کہ انھوں نے فنِ تاریخ گوئی کو بھی ، سارے گوشوں کو سامنے رکھ کر پیش کیا ہے ۔ کسریٰ منہاس صاحب نے بتایا ہے کہ "قرونِ وسطیٰ میں یہ فن مغرب میں بھی رائج ہوا لیکن پوری طرح ترقی نہ کر سکا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرقی اقوام خواہ آریائی ہوں یا سامی اعداد اور حُروف کو عطیۂ خداوندی سمجھتی ہیں ۔ سنسکرت میں بھی حُروفِ تہجی کی معینہ قیمت موجود ہے اور عربی حُروف کی بھی قیمت معیّن و مقرر ہے ۔ مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے کہ حُروف کی قیمت حضرت آدم پر منکشف ہوئی جو ابجدِ آدم کہلاتی ہے ۔ پھر آدمِ ثانی حضرتِ نوح پر تہی

کسریٰ منہاس

❁❁❁

پبلشرز: نقوش ۰ اُردو بازار ۰ لاہور

پبلشر : نقوش۔ اُردو بازار، لاہور

مطبع : نقوش پریس، لاہور

قیمت : ۱۵۰/- روپے

فنِ تاریخ گوئی

کمرٹی منہاس

انتساب

"میں اس کتاب کو نہایت عقیدت و احترام سے جناب محمد طفیل مرحوم (مدیر نقوش) کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں، اس کتاب کا نام فنِ تاریخ گوئی انہوں ہی نے تجویز فرمایا تھا اور اسکی اشاعت کی ذمہ داری بھی

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

کسریٰ مہناس عفی عنہ

ترتیب

قطعۂ تاریخ "تاریخ گوئی"

کلکِ کسریٰ نے جمل کے فن میں دکھلایا کمال
ہوں گے اس تصنیف سے شائق سخن کے بہرہ یاب

دیں گے اہل علم و دانش سب اسے دل میں جگہ
حل ہر اک نکتہ کا ہے ہر مسئلہ کا ہے جواب

معتبر بھی۔ مستند بھی خوب محبوب بھی
بے مثال و بے نظیر و بے عدیل و انتخاب

فکرِ سالِ طبع میں مصرع ملا یہ بے بہا
چھپ گئی تاریخ گوئی پر یہ کیا اچھی کتاب

۱۹۸۹ء

علی جلیلی ایم اے

گزارشِ احوال

۱۹۳۴ء میں لسان الملک حضرت ریاض خیر آبادی نے وفات پائی۔ میں نے ان کی وفات حسرت آیات پر مرثیہ لکھا یہ مرثیہ آٹھ بندوں پر مشتمل تھا ۔ آخری آٹھواں بند یہ ہے :۔

میری نظروں میں ہے جنت کے مناظر کا سماں　　نوربار و نور بیز و نور ریز و صف فشاں
سرمدی نزہت کی اس دنیائے پُر اظہار میں　　محوِ رقصِ ناز ہے روجِ شبابِ جاوداں
ذرّے ذرّے میں جوانی کی امنگیں رچ گئیں　　لے رہی ہے زندگی ہر پھول میں انگڑائیاں
حُوریانِ خلد ہیں مینا بکف ، گیسو بدوش　　ان کی آنکھوں میں شرابِ کوثری کی جھلکیاں
اُٹھ رہی ہیں ہائے کس اندازِ پُر اسرار سے　　بابِ جنت کی طرف ان کی حنائی انگلیاں

گا رہی ہیں برلبِ کوثر یہ مصرع بار بار
دیکھو وہ آئے ریاضؔ شاعرِ جادو نگار

۳۴ ۱۹عیسوی کسریٰ

اس آخری بند کی ٹیپ کا دوسرا مصرع تاریخ تھا ۔ حضرت جوش ملیسانی نے مصرع تاریخ کو جانچا تو انہیں معلوم ہوا کہ مصرع تاریخ میں لفظ (آئے) کے عدد صحیح نہیں لئے گئے ۔ چنانچہ انہوں نے مرثیے کے آخر یہ نوٹ تحریر فرمایا ۔

"ہمارے کرم فرما جناب کسریٰ نے یہ مرثیہ محنت اور توجہ سے کہا ہے ۔ ان کی محنت اور کاوش ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہے بالخصوص پانچواں ، چھٹا اور ساتواں بند بہت قابلِ قدر ہیں ۔ مگر افسوس کہ مادۂ تاریخ کے عدد بجائے ۱۹۳۴ کے ۱۹۴۴ ہوتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے لفظ (آئے) کا ہمزہ جو یائے تحتانی ہی کی تبدیل شدہ صورت ہے شمار نہیں کیا اور اس کے دس عدد محسوب نہیں ہوئے یہ ہمزہ بلاشبہ یائے تحتانی ہے ۔ گئے اور

گئی میں بھی ہمزہ یہی یائے تحتانی ہے ملاحظہ ہو ملخص تسلیم سہسوانی یا افادۃ التاریخ حضرت جلال لکھنوی امید ہے کہ صاحب موصوف اس پر توجہ فرمائینگے ۔"

(جوش ملیسانی مدیر حصہ نظم و شعبۂ ادبیات)

رہنمائے تعلیم لاہور دسمبر ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۱۸ پر یہ نوٹ چھپا ۔ میں نے اسے دیکھا ملخص تسلیم اور افادۃ التاریخ تلاش بسیار کے بعد مجھے مل گئیں میں نے ان کو بغور مطالعہ کیا اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ میں نے (آے) کو جو گیارہ عدد لئے ہیں درست ہیں اور تاریخی مصرع صحیح ہے ۔ میں نے اپنے موقف کو تفصیل سے 'ہمزہ کے عدد، میں بحث کرکے واضح کردیا ہے ۔ جو اس کتاب میں شامل ہے یہ حقیقت ہے کہ جناب جوش ملیسانی (آئے) کے ہمزہ کی طرف میری توجہ مبذول نہ فرماتے اور میرے تحقیقی شعور کو نہ ابھارتے تو آج یہ کتاب "فن تاریخ گوئی" قارئین کرام تک نہ پہنچ سکتی اور اس قسم کے دوسرے مقالے بھی پردۂ خفا میں رہتے ۔ اس کتاب کی تاریخ اشاعت اردو ادب کے نامور استاد جلیل مانکپوری کے لائق صاحبزادے جناب علی احمد جلیلی ایم اے عثمانیہ نے کہی ۔ تعارف ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صدر شعبہ اردو پنجاب اورینٹل کالج لاہور نے تحریر فرمایا ۔ پروف ریڈنگ اور توضیحی کتابیات کی فہرست عزیز مسعود الحسن نے مرتب کی اور کتاب میں جہاں کہیں مشاہیر شخصیات کے نام آئے ہیں ان کی نشان دہی میرے عزیز جناب سید جمیل احمد صاحب رضوی اسسٹنٹ چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور نے کرادی ہے ۔ جس کی افادیت مسلم ہے ۔ میں ان سب کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری مدد کی — ۱۲

کسریٰ منہاس عفی عنہ

فنِ تاریخ گوئی

جناب غلام حسن کسریٰ منہاس کی منظوم و منثور تحریروں سے میرا تعارف بہت پُرانا ہے ملک کے ممتاز ادبی جرائد میں ان کی غزلیات اور تحقیقی و تنقیدی مضامین نصف صدی سے شائع ہو رہے ہیں اور اہل ذوق و علم سے دادو تحسین حاصل کر رہے ہیں ۔

قیامِ پاکستان سے قبل دلّی ، لکھنو ، حیدرآباد وغیرہ کے اساتذۂ شعر اردو اور اہل علم سے ان کے گہرے مراسم تھے جن میں حضرت امیر مینائی اور جناب داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ شامل ہیں لیکن حضرت جلیل مانک پوری آپ کو خصوصی نسبت رہی ۔ ایسے مایہ ناز اہل قلم سے آپ نے بہت کچھ سیکھا اور وسیع مطالعے سے اپنی خداداد صلاحیتوں کو مزید جلا بخشی ۔

فی الحال میں اس بات سے قطع نظر کرتا ہوں کہ فن شعر کے تمام پہلوؤں پر وہ کس قدر گہری نظر رکھتے ہیں ۔ اس وقت آپ کے مطالعات کے ایک خصوصی میدان کا تذکرہ مطلوب ہے "فن تاریخ گوئی" ہمارے ہاں ایک زوال پذیر فن ہے اور اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود شعرائے حال نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر رکھا ہے ایک صدی پہلے شعراء کی مہارت فن کو پرکھنے کا ایک معیار یہ بھی تھا کہ کسی شعر یا مصرعے سے "مادۂ تاریخ" مہارت سے برآمد کر سکتے ہیں یا نہیں ۔ اس طرح "فن تاریخ گوئی" ایک منفرد فن بن چکا تھا جس کے اپنے اصول و ضوابط مقرر ہو گئے تھے ۔ یہ اصول و ضوابط تو بدستور موجود ہیں مگر ان سے ناواقفیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اچھے خاصے ادباء و شعراء مادہ تاریخ کی تصنیف تو درکنار کسی مصرعے سے تاریخ تصنیف برآمد بھی نہیں کر سکتے ۔ یہ صورتِ حال یقیناً بہت افسوس ناک ہے ۔

ہمارے عہد میں گنتی کے جن اہل علم نے فنِ تاریخ گوئی کو اپنی تحقیق و تنقید کا خصوصی میدان بنایا اُن میں کسریٰ منہاس سرِ فہرست ہیں ۔ اس موضوع پر ان کے مضامین عرصہ دراز سے موقر جریدوں میں شائع ہو رہے ہیں اور اس فن کی شناخت رکھنے والی متعدد اہم شخصیات نے ان کے مضامین کو بے حد سراہا ہے ۔ اس سلسلے میں چند موقر اہل قلم کی آرا میں سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں ۔

جب انھوں نے "ہوئی کے عدد" کے زیر عنوان مضمون لکھا تو اس پر جناب جوش ملسیانی نے "رہنمائے تعلیم" لاہور اپریل ۱۹۴۴ء میں یوں اظہار خیال کیا :

"ذیل کا قیمتی مضمون جناب کسریٰ منہاس کے علیات میں سے ہے ۔ موصوف نے یہ مضمون جس محنت اور تحقیق سے مرتب فرمایا اس کا شکریہ کہاں تک کیا جائے ۔ فنِ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اسے غور سے ملاحظہ فرمائیں اور اس محنتِ شاقہ کی داد دیں"۔

"ہمزہ کے عدد" پر انھوں نے نہایت اہم مضمون سپرد قلم کیا تو اس پر سیماب اکبر آبادی جیسے سخنور نے لکھا :

اس سے پہلے ایسا علمی مضمون نہیں لکھا گیا"۔

اسی مضمون کے بارے میں "عالمگیر" لاہور کے سلور جوبلی نمبر بابت اپریل مئی ۵۰ء میں یہ رائے دی گئی :

"یہ مضمون غالباً ننانوے فیصد قارئین کے لیے غیر دلچسپ ہو گا لیکن جن لوگوں کو فنِ تاریخ گوئی سے شغف ہے یا جو پرانی تاریخوں کے متعلق تحقیق کے عادی ہیں ان کے لیے یہ مقالہ بہت مفید علمی معلومات کا حامل ہے ۔"

نقوش لاہور کے ادبی معرکے نمبر میں انھوں نے "جلال ، تسلیم اور ولا کی معرکہ آرائی تاریخ گوئی کے آئینے میں" کے زیر عنوان ایک معرکے کا مضمون لکھا تھا اس کے متعلق اردو زبان کے مشہور محقق اور نقاد جناب گیان چند نے یوں خراجِ تحسین ادا کیا:

"کسریٰ منہاس کا مضمون ایک نرالے موضوع پر ہے جلال ، تسلیم اور ولا کی معرکہ آرائی تاریخ گوئی کے آئینے میں ، دقیق ، عالمانہ مباحث سے پُر ہے ۔ الف ممدودہ ، ہائے مدورہ اور یائے تحتانی ہمزہ کے اعداد جیسے اختلافی مسائل پر بھر پور روشنی ڈالی گئی ہے"۔

اسی طرح جناب نثار احمد فاروقی نے کسریٰ صاحب کی محنت کو ان الفاظ میں سراہا ہے : "میں نے کسریٰ منہاس کے مضمون "زبروبینات" سے اس اصطلاح کا مطلب سمجھا ہے ۔"

غرض جناب کسریٰ منہاس اس فن کی باریکیوں پر جو عبور رکھتے ہیں اس میں فی زمانہ ان کا کوئی ثانی نہیں ملے گا ۔ وہ اس فن کی مختلف مسائل پر متعدد مضامین لکھ چکے ہیں ۔ یہ مضامیں موجود دور کے محققین کے لیے بہت اہم ہیں ۔ پرانے مخطوطوں بلکہ ایک صدی پہلے کی مطبوعہ کتابوں سے بھر پور استفادہ کرنے کے لیے محققین کا اس فن سے واقف ہونا ضروری ہے ۔ اس ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہیں مرحوم محمد طفیل نے کسریٰ منہاس سے کئی مضامین لکھوائے اور ان سے اصرار کیا کہ وہ فنِ تاریخ گوئی پر رقم کیے ہوئے اپنے مضامین کے دو مجموعے تیار کر دیں جو ادارۂ نقوش کی طرف سے شائع کیے جائیں گے ۔ افسوس ہے کہ طفیل مرحوم کو موت نے مہلت نہ دی کہ وہ اپنی زندگی میں انھیں مطبوعہ صورت میں دیکھ لیتے ۔ بہر طور اب ان مضامین کا ایک مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد اہلِ ذوق حضرات دوسرے مجموعے کی جلد اشاعت پر اصرار کریں گے ۔

خواجہ محمد زکریا
صدر شعبہ اُردو
پنجاب یونیورسٹی ، اورینٹل کالج ، لاہور ۔

تاریخ گوئی کی تاریخ

علم ہندسہ کی قدامت :

تاریخ گوئی کی ابتدا زمانہ ماقبل تاریخ میں ہوئی ، اس لیے یہ کہنا قطعیت کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ یہ فن کب ظہور میں آیا ۔ انسانی معاشرہ اتنا قدیم ہے کہ تاریخ اس کا احاطہ نہیں کر سکی ۔ بہت سی چیزیں ہم کو روایات اور قصے کہانیوں میں ملتی ہیں اور اتنے قدیم دور سے تعلق رکھتی ہیں جب علم تحریر بھی وجود میں نہیں آیا تھا ۔ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ تمدن کی ابتدا میں انسان کو یہ ضرورت پیش آئی کہ چیزوں کو شمار کرے۔ چنانچہ اس نے علم ہندسہ ایجاد کیا ۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ انسان کو ہندسے کی ضرورت اپنے تمدن کے ابتدا میں پیش آئی ہوگی ۔ایک ایسے دور کا تصور کرنا ہمارے لیے مشکل بلکہ محال ہے جب انسان کو چیزوں کے شمار کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی ہو۔ بالکل ابتدا میں جب انسانوں نے مل جل کر رہنا شروع کیا ہوگا تو اس ضرورت کا احساس ہوا ہوگا کہ کسی فرد واحد کے پاس اتنی بھیڑیں یا بکریاں ہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب دولت کا شمار بھیڑوں یا بکریوں کے ذریعے کیا جاتا تھا ۔ اس سے بھی پہلے جب روزی کا دارو مدار شکار پر تھا تب بھی کسی نہ کسی حد تک گنتی کی ضرورت پیش آئی ہوگی ۔ اول اول ذخیرہ اندوزی انسانی فطرت میں شامل نہ ہوگی ۔ چیزوں کو انگلیوں پر گن لیا جاتا ہوگا۔ لیکن انگلیوں کی تعداد بھی کچھ ایسی زیادہ نہیں ؛ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں مل کر بیس ہوتی ہیں۔ دشواری اس وقت پیش آتی ہوگی جب تعداد اشیاء بیس سے زیادہ ہوتی ہوگی ۔ ایسے موقع پر بیس پر ایک بیس پر دو بیس پر پانچ وغیرہ کسی نہ کسی طرح یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ تعداد اشیاء یوں تو بیش از شمار ہیں لیکن ایک یا دو یا پانچ اضافہ کر کے بھی حاصل تعداد تک پہنچا جا سکتا ہے ۔ [۱] شمار کرنے کا ایک آسان

---

۱ ۔ داستان ریاضی ، از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند ، طبع اول ، سال اشاعت ۱۹۳۵ء

تحریری طریقہ بھی تھا ؛ جتنی چیزیں شمار کی جاتیں ، ہر چیز کے لیے ایک لکیر کھینچ دی جاتی۔ ایک چیز ہوئی تو ایک لکیر بنا دی اور دس چیزیں ہوئیں تو دس لکیریں بنا دی گئیں۔ ابتدائے تمدن میں جب پیچیدہ حساب انسانی تصور سے باہر تھا ، ایک ساتھ دس تک گن لینا ہی بڑی بات تھی۔ ایک سطر میں ایک سے دس لکیریں کھینچتے چلے گئے ، پھر دوسری سطر شروع ہوئی ۔ اگر چیزوں کی تعداد بیس ہے تو دس لکیروں کے نیچے دس لکیریں بنا دی گئیں اور پچیس ہے تو تیسری سطر میں پانچ لکیریں کھینچ دی گئیں۔ دہائی کا تصور غالباً اسی طرح صورت پذیر ہوا ہوگا۔

جیسے جیسے انسانی معاشرہ نشو و نما پاتا رہا ، حساب کی پیچیدگیاں بھی بڑھتی گئیں ۔ معاشرے کے ساتھ سرمایہ داری کا ایک بنیادی تعلق ہے۔ لین دین بڑھتا گیا اور اسی کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کی تحریک ترقی پاتی گئی ۔ اس کا منطقی نتیجہ علم ہندسہ ایجاد ہوا ۔ دو لکیریں کھینچنے سے کہیں آسان یہ ہے کہ دو کا ہندسہ بنا دیا جائے ۔ اور اسی کے ساتھ یہ دونوں ضرورتیں پوری ہوگئیں ۔ [۱] صفر کے ایجاد نے سونے پر سہاگے کا کام کیا؛ اب دہائی سے سیکڑہ اور لاکھ وغیرہ تک گننا مشکل کام نہ رہا۔ دوسری جانب انسانی معاشرے میں تقریر کے دوش بدوش تحریر کو ترقی ہونے لگی۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ علم تحریر کے ایجاد سے پہلے انسان اپنا مافی الضمیر کیوں کر ظاہر کرتا ہوگا تو کئی پہلو ہماری سمجھ میں آتے ہیں؛ مثلاً ایک شخص اپنے پڑوسی کے گھر گیا اور وہاں سے ایک پیالہ اپنی ضرورت کے لیے اٹھا لایا۔ پڑوسی اس وقت موجود نہ تھا ۔ لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہونا فطری ہے کہ پڑوسی کو کیونکر مطلع کیا جائے ۔ پیالہ اٹھا لانے والے شخص پر لازم آیا ہوگا کہ کوئی نشان اس قسم کا بنا دے کہ پڑوسی کو پوری بات معلوم ہو جائے ۔ ایسے موقع پر وہ اغلباً یہ کرتا ہوگا کہ دیوار پر پیالے کی تصویر کھینچ دی۔ لیکن یہی عمل بار بار کرنا پڑے تو پیالے کی تصویر ہر مرتبہ کھینچنا باعث زحمت ہوتا ہے ۔ بس پورا پیالہ نہ بنایا ، پیالے کا ایک حصہ بنا دیا ۔ رفتہ رفتہ تصویر کی جگہ علامت کافی سمجھی جانے لگی ہوگی ۔اس طرح تصویری طرز تحریر ایجاد ہوا ہوگا ۔ پھر معاشرے کی ترقی

---

۱ ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اہل ہند کا ایجاد ہے ۔

کے ساتھ ساتھ علم تحریر نے بھی ترقی کی ہوگی ۔ چنانچہ جب علم ہندسہ ایجاد ہوا ہوگا تو دوسری طرف حروف تہجی بھی وجود میں آگئے ہوں گے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے پہلے حروف تہجی وجود میں آئے یا ہندسے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں بیک وقت یا قریب قریب ایک ساتھ ایجاد ہوئے ہوں ۔ بعض اہل فکر کا خیال ہے کہ ہندسوں کا ایجاد بہر صورت حروف کے ایجاد کے بعد عمل میں آیا ۔ ۱ صاحب 'غرئب الجمل' نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرکے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اول تصویری حروف ایجاد ہوئے اور اس کے بعد ہندسے ۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اہل مصر تصویری حروف اور علم ہندسہ کے موجد تھے غیر تصویری حروف تہجی غالباً ۱۸۰۰ ق م میں سامی النسل اقوام نے ایجاد کیے ۔ ان کی ترقی یافتہ صورت ابجد ہے جو تاریخ گوئی کی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتی ہے ۔

انسانی علوم میں عہد بہ عہد ترقی ہوتی رہی ۔ایک طرف معاشرے کی عملی ضروریات نے علم حساب کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر کر دیا اور دوسری جانب علمائے سائنس و فلسفہ نے فلکیات کو ایک شعبہ قرار دیا ۔ اس طرح نجوم اور ریاضی میں رشتہ قائم ہوا؛ فاصلے ناپے گئے ، ستاروں کی گردش کا حساب لگایا گیا اور ریاضی محض شماریات ہی کا نام نہیں رہا بلکہ اس کا احاطہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ۔ مابعد الطبعیات ایک ایسا علم قرار پایا جس کا تعلق اسرار و طلسم سے منسوب ہوا ۔چنانچہ حروف کے بدلے اعداد اور اعداد کے بدلے حروف لکھے جانے لگے ۔ سامی الاصل تہذیبوں میں بعض دیوی اور دیوتاوں کے ساتھ مخصوص اعداد کو منسوب کیا گیا ۔ چنانچہ اہل بابل نے رمن سے (۱۰) ایشر سے (۱۵) شمس سے (۲۰) مردوک سے (۲۵) سین سے (۳۰) ایاسے (۴۰) بیل سے (۵۰) انو سے (۶۰) منسوب کیے۔ سامی حساب کی بنیاد ساٹھ پر تھی ۔چنانچہ آج بھی گھنٹے کے ساٹھ منٹ اور منٹ کے ساٹھ سیکنڈ ہوتے ہیں ۔ عام لوگوں کے ذہن کی رسائی ان اسرار تک نہ ہو سکتی تھی۔ یہ علوم خواص کے لئے تھے ۔تاہم اعداد اور اسما میں ربط قائم ہونا مسلم ہے اس کے بغیر تاریخ گوئی ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ ان علوم کا انسانی فطرت کے ساتھ گہرا رشتہ

---

۱ ۔ غرائب الجمل از عزیز جنگ ولا طبع حیدر آباد دکن سال اشاعت ۱۳۳۶ھ ۔

ہے ۔ اس پر بحث کیے بغیر کہ حروف اور اعداد کے درمیان مطابقت قائم کرنے کا خیال کب اور کیونکر پیدا ہوا ہم ایک بنیادی انسانی ضرورت کی طرف اشارہ کریں گے ۔ یہ فطرت انسانی کا ایک بنیادی تقاضا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کو دنیا یاد رکھے اور اس کے کارنامے اس کی زندگی کے بعد بھی تاریخ کا ایک حصہ بن جائیں ۔ قدیم عمارت پر ہم اکثر سنہ تعمیر کندہ پاتے ہیں مقصد یہ ہے کہ تعمیر عمارت کی تاریخ اہل عالم کے سامنے قائم و دائم رہے ۔ ان قدیم عمارتوں کے بنانے والے کب کے خاک کے ڈھیر ہوئے لیکن عمارتیں باقی ہیں ۔ اور بنانے والے کا نام اور تعمیر کا سنہ آج بھی ہمارے پیش نظر ہے ۔ امتداد زمانہ کے ساتھ یہ بھی ایک امر فطری ہے کہ جس طرح عمارتوں کے بنانے والے موت کی نیند سو گئے ۔ اسی طرح ان کی بنائی ہوئی عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر خاک میں مل گئیں ۔ لیکن وہ عبارات اب بھی کتابوں میں محفوظ ہیں جو ان تعمیرات کی نشان دہی کرتی ہیں ۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان مرنا نہیں چاہتا ۔ جب تک کوئی شخص انسانوں کے ذہن میں موجود ہے ، وہ شخص زندہ ہے ۔ جب کوئی کارنامہ تاریخ کا حصہ قرار دیا جاتا ہے ، وہ کارنامہ جاوداں ہے ۔ اسی لیے یہ تحریک پیدا ہوئی کہ انسانی کارناموں کو تاریخ گوئی کے ذریعے قائم و جاوداں بنایا جائے ۔ اسلامی دور کے مشہور تاریخی واقعات ، فتوحات ، سنین پیدائش و وفات جلوس شاہانہ تصانیف کتب وغیرہ تاریخ گوئی کے ذریعے محفوظ ہیں ۔ اس سے قطع نظر کہ اس مقصد کے لیے نثر کو کام میں لایا جائے یا نظم کو دونوں صورتوں میں مقصد بہرحال پورا ہو جاتا ہے ۔ کسی نے مسجد بنائی یا سرائے تعمیر کی ، شاعر نے اس کارنامے کو قطعے کی صورت دے دی ۔ جس کے ایک ٹکڑے سے تاریخ تعمیر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی ۔ غرضیکہ اعداد و حروف کی مطابقت انسان کی ایک خاص ضرورت کو پورا کرتی ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ انسانوں کے کارنامے محفوظ ہو جائیں ۔ یہ بھی بقا کی ایک صورت ہے ۔

---

۱ ۔ Oxford Companion to Classical Literature.

۲ ۔ زمانہ ، کان پور ، دسمبر ۱۹۰۸ء "ابجد کی ایجاد" از میر کرامت اللہ ۔

مغربی ممالک میں تاریخ گوئی :

تاریخ گوئی کے ضمن میں یہ قیاس آرائی کی گئی ہے کہ یہ ایک مشرقی فن ہے ، جیسا کہ سطور بالا میں اشارہ کیا جاچکا ہے ۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ حقیقتِ حال تک پہنچنے کا نہیں ہے ۔ لیکن اس صورت میں کہ مغربی ممالک میں تاریخ گوئی کا ذوق و شوق کسی دور میں نہیں رہا ہے اور ایسے تاریخی شواہد موجود نہیں ہیں جو اس کے برعکس نشان دہی کر سکیں ، یہ امر قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن مشرق میں شروع ہوا اور رفتہ رفتہ مغرب میں رائج ہوگیا ۔ دوسری صدی قبل مسیح سے پہلے اہلِ مغرب کا تاریخ گوئی سے آگاہ ہونا کسی طور پر ظاہر نہیں ہوتا ۔ وہ زمانہ یورپ میں رومہ الکبریٰ کی عظمت کا تھا ۔ رومن حکومت ایشیائے کوچک سے لے کر جزائر برطانیہ تک پھیلی ہوئی تھی ۔ ان دنوں کرے ٹیز (Crates) نامی ایک مشہور صاحب علم ایشیائے کوچک سے روما بہ عہدۂ سفارت پہنچا ۔ یہ شخص اپنے زمانے میں ایک منفرد علمی حیثیت کا مالک تھا اور مشہور یونانی رزمیہ شاعر ہومر کا شارح تھا ۔ یونانی و لاطینی قواعدِ زبان پر اسے کامل عبور تھا اور لاطینی زبان کے شاہکاروں کو محفوظ کرنے میں اس کی خدمت کو سراہا گیا ہے ۔ کرے ٹیز کو اہل روما معلّم اول کہہ کر پکارتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی حادثے میں اس کی ایک ٹانگ زخمی ہو گئی ۔ معذور ہو جانے کی بنا پر سفارتی عہدے سے دست کش ہو کر کرے ٹیز روما ہی میں بس گیا اور درس و تدریس میں مشغول ہوگیا ۔ ایک جانب تو اس نے لاطینی شاہکاروں کی اہمیت پر لوگوں کی توجہ مبذول کرائی اور دوسری طرف علمِ ہندسہ ، جس سے عوام پوری طرح آگاہ نہ تھے ، سکھانے لگا ۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جب یونانیوں میں اہلِ مصر کے ذریعے علمِ ہندسہ عام ہو چکا تھا تو آخر رومنوں میں یہ کیوں نہ پھیلا ۔ قیاس کہتا ہے کہ خواص کو علم ہندسہ سے ضرور آگاہی ہوگی لیکن عوام میں اس کی ترویج و اشاعت کرے ٹیز کے ذریعے ہوئی ۔ اس نے رنگین گولیوں کا ایک کھیل ایجاد کیا جس سے شمارِ اعداد میں آسانی ہو گئی ۔ یہ جس دور کی بات ہے اس میں اعداد کو ہندسوں کی بجائے رومن حروف میں لکھا جاتا تھا ۔ ایک کو (i) دو کو (ii) چار کو (iv) وغیرہ ۔

تعارف

(۱) سفید گولی (یا ایک کے لیے) I
(۲) سرخ گولی (یا پانچ کے لیے) V
(۳) سبز گولی (یا دس کے لیے) X
(۴) سیاہ گولی (یا پچاس کے لیے) L
(۵) فیروزی گولی (یا سو کے لیے) C
(۶) گلابی گولی (یا پانچ سو کے لیے) D
(۷) بادامی گولی (یا ہزار کے لیے) M

اس طرح رومن حروفِ تہجی کے سات حروف کی قیمت متعین ہو گئی ۔ پھر ایک مزید باریکی ایجاد ہوئی جس سے شمار میں سہولت ہو گئی ۔ بڑھیا علامت کی بائیں طرف اگر کوئی علامت لکھی جاتی تو وہ اس سے کم کی جاتی اور اگر دائیں جانب لکھی جاتی تو بیشی سمجھی جاتی ۔ مثلاً (X) = دس کے بائیں اگر (I) ہو تو (IX) = نو اور اگر دائیں ہو تو (XI) = گیارہ۔ اسی طرح (C) = 100 (XC) = 90 ۔ اس صورت میں اہلِ یونان و روما اعشاریہ کے استعمال سے واقف نہ تھے ۔ شمارِ اعداد میں انھیں وہ سہولت حاصل نہ ہو سکتی تھی جو اعشاریہ کی واقفیت سے حاصل ہوتی ہے ۔ اس کے باوجود تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہے کہ جن سات رومن حروفِ تہجی کی قیمت متعین ہے ، ان کی وجہ سے تاریخ گوئی کا فن کسی نہ کسی صورت میں اہلِ روما میں رائج رہا ہوگا ۔ ایک روایت کے مطابق اربے لیس نے رومتہ الکبریٰ کے بانی رومولس (Romulus) کا سنہ جلوس رومن تقویم کی بنیاد قرار دے کر کسی عمارت کا سنِ تعمیر برآمد کیا تھا ۔ رومہ کی بنیاد ۷۵۳ قبل مسیح میں پڑی اس کو رومن تقویم کا پہلا سال قرار دیا جاتا ہے ۔ رومن تقویم کی بنیاد پر جو تاریخیں نکلیں گی ۔ اسی حساب سے نکلیں گی غرضیکہ یہ مفروضہ بے بنیاد نہ ہوگا ۔ کہ اہلِ روما میں تاریخ گوئی کا فن رائج تھا ۔ البتہ ان کی حروفِ تہجی میں صرف سات حروف کام کے تھے اور باقی محض آرائشی جن کا واسطہ تاریخ گوئی سے نہ پڑتا تھا ، محض عبارت آرائی سے پڑتا تھا ۔ رومنوں کے دیکھا دیکھی دولِ مغرب کے علاقوں میں جہاں رومن حروفِ تہجی پہنچے ہوں گے ، کسی نہ

کسی حد تک تاریخ گوئی کا فن بھی پہنچا ہوگا ۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ فن یورپ میں رواج پا چکا تھا ۔ تاریخ نکالتے وقت حساب اس طرح کیا جاتا کہ ایک بامعنی عبارت ، جس کا واقعہ سے تعلق ہوتا تحریر میں لائی جاتی ۔ اس کے غیر ضروری حروف کو چھوڑ کر حروف معینہ کے شمار سے تاریخ برآمد کی جاتی ۔

شمارِ اعداد کا یورپ میں ایک اور طریقہ بھی رائج رہا ہے جس کا تعلق علم الاعداد سے ہے ۔ تاریخ گوئی سے نہیں یہ حسب ذیل ہے ۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
A	B	C	D	E	F	G	H	I
J	K	L	M	N	O	P	Q	R
S	T	U	V	W	X	Y	Z	–

قباحت اس طریقے میں یہ ہے کہ تین تین حروف ایک ہی قیمت کے ملتے ہیں ۔ مثلاً (A) کی قیمت ایک ہے اور (J) کی قیمت بھی ایک ہے اور (S) کی قیمت بھی ایک ہی ہے ۔ مزید قباحت یہ ہے کہ شمارِ اعداد نو سے آگے نہیں پہنچتا ۔ دہائی اور سیکڑہ وغیرہ رسائی سے باہر ہیں ، لہٰذا تاریخ گوئی میں یہ طریقہ کام نہیں لایا جاسکتا ۔ اعداد اور نجوم کا ایک مفروضہ رشتہ ہے ۔ مثال کے طور پر اس خاص طریقے کے تحت اگر حاصل اعداد ایک سو ستاون (۱۵۷) ہوں ۔ تو پھر ہم ایک اور پانچ اور سات کو جمع کریں گے ، اب حاصل جمع تیرہ ہوا۔ چنانچہ ہم ایک اور تین کو جمع کریں گے اب حاصل جمع چار ہوا اب ہم یہ دیکھیں گے کہ چار کا عدد نحس ہے یا سعد ۔ بالفرض ہم نے کسی شخص کے نام کے عدد حاصل کیے اور طریق بالا کے ذریعے اعداد کو آپس میں جمع کیا تو حاصلِ جمع سے ہم اس تیجے پر پہنچیں گے کہ اس شخص کی زندگی پر نجوم کے کیا اثرات ہیں اگر اس شخص کی تاریخ پیدائش بھی معلوم ہو تو اس فن کے ماہرین کو کوئی تیجہ نکالنے میں اور آسانی ہو جائے گی ۔ مثال کے طور پر وہ شخص جس کے نام کے اعداد کا حاصلِ جمع چار ہے ، اگر انگریزی تقویم کے چوتھے مہینے یعنی اپریل میں پیدا ہوا ہے ، یا آٹھویں مہینے اگست یا بارھویں مہینے دسمبر میں پیدا ہوا ہے ، یعنی نام اور مہینے کے اعداد میں کوئی مشارکت اور مشابہت موجود

ہے، یا مہینے کی تاریخ یا سال میں کوئی اس قسم کی مشابہت اور مشارکت پائی جاتی ہے تو ماہرینِ علوم اعداد اس شخص کے لیے پیش گوئی کر سکیں گے کہ اس کی زندگی یوں گزرے گی اور اس قسم کے واقعات اسے پیش آئیں گے ۔ سائنس کی روشنی میں یہ چیزیں قابل یقین نہیں معلوم ہوتیں ۔ پھر بھی یورپین عوام کا ایک طبقہ اب بھی ان پر یقین رکھتا ہے لیکن یہ موضوع تاریخ گوئی سے متعلق نہیں ہے ۔

تاریخ گوئی کا فن اصلاً ایک مشرقی فن معلوم ہوتا ہے ۔ مغرب میں اگرچہ یہ رائج رہا ہے لیکن عام کبھی نہیں ہوا ۔ انگریزی میں تاریخ گوئی کو "کرونوگرام" (Chrono Gram) کہتے ہیں ۔ طریقۂ حساب حسب ذیل ہے :

I	=	۱	ایک
V	=	۵	پانچ
X	=	۱۰	دس
L	=	۵۰	پچاس
C	=	۱۰۰	سو
D	=	۵۰۰	پانچ سو
M	=	۱۰۰۰	ایک ہزار

تعمیہ و تخرجہ رومن حساب سے ہوتا ہے ، یعنی بڑے عدد کے بائیں جانب چھوٹا عدد لکھنے سے قیمت گھٹتی ہے اور دائیں جانب لکھنے سے بڑھتی ہے ۔ مثلاً

XL	=	۴۰	چالیس
LX	=	۶۰	ساٹھ
XC	=	۹۰	نوے
CX	=	۱۱۰	ایک سو دس
CD	=	۴۰۰	چار سو
DC	=	۶۰۰	چھ سو
MC	=	۱۱۰۰	گیارہ سو

یعنی انگریزی شاعری میں بھی تاریخ گوئی نے کوئی خاص ترقی نہیں کی ۔ وہی حروفِ

تہجی جو رومنوں نے با قیمت تسلیم کیے تھے ، بعینہ اسی صورت میں یہاں بھی جاری رہے ۔ یعنی حروف بھی وہی سات اور ان کی قیمت بھی وہی جو معینہ ہے ۔ مثال کے طور پر دو تاریخیں درج ذیل کی جاتی ہیں ۔ ان میں سے ایک خواجہ حافظ شیرازی کی تاریخ ہے :

صحن مصلیٰ سے اس کے سب سے سر سبز	Thrice take from Mosullah's
دانے کو تین مرتبہ اٹھا لو	Garth Its Richest Grain
یہ حافظ کا سالِ وفات ہے	Which is the Year of Hafiz's death

یعنی اس انگریزی عبارت سے تاریخ یوں نکالی گئی ہے کہ مصلیٰ میں جو تین عددی حروف ایم (M) اور دو ایل (L) ہیں ، ان کے اعداد کا مجموعہ گیارہ سو ، ہوا ۔ اس کے سر سبز دانے Its Richest Grain ایک (C) اور تین (I) کے اعداد ۱۰۳ کو تین گنا کر کے مصلیٰ سے حاصل کردہ اعداد ۱۱۰۰ سے منہا کیا (۱۱۰۰ ۔ ۳۰۹) ۷۹۱ء تاریخ دستیاب ہو گئی ۔ ۱

اسی طرح ملکہ الزبتھ اول کی تاریخ وفات تاریخ ادبیات ایران کے مصنف براؤن نے درج کی ہے :

۱۰۰۰ ۵۰۰ ۱ ۱۰۰ ۱ ۱ × × ×

My day is closed in immortality

اسی طرح ۱۲۰۳ عیسوی برآمد ہوتا ہے ۔ لیکن ہم یہاں یہ اشارہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انگریزی شاعری میں تاریخ گوئی محض ایک تفریحی مشغلہ رہی ہے ۔ سنجیدگی کے ساتھ اس کو کبھی اختیار نہیں کیا گیا ۔

اس کے برخلاف مشرق میں تارخ گوئی محض ایک مشغلے کے طور پر رائج نہیں رہی ہے ۔ مشرقی اقوام خواہ وہ آریائی ہوں یا سامی اعداد اور حروف کو ایک عطیۂ خداوندی سمجھتی چلی آئی ہیں ۔ سنسکرت میں بھی حروفِ تہجی کی معینہ قیمت موجود

---

۱ ۔ ہفت روزہ لیل و نہار ۱۵ جنوری ۱۹۶۱ء : "اہلِ مشرق و مغرب کی تاریخ گوئی" و غرائب الجمل ، ص ۳۵ ۔

ہے اور ہمارے عربی حروف کی قیمت بھی معین و مقرر ہے ۔ ہماری ابجد جو اٹھائیس حروف پر مشتمل ہے ، ہر حرف کی ایک علیحدہ معینہ قیمت پر اصرار کرتی ہے اور کوئی حرف اس ابجد میں ایسا موجود نہیں جس کی مسلمہ قیمت نہ ہو ۔ مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے کہ حروف کی قیمت حضرت آدمؑ پر منکشف ہوئی ۔ جو ابجدِ آدم کہلاتی ہے ۔ پھر آدم ثانی حضرت نوحؑ پر ایک نئی صورت میں منکشف ہوئی جو ابجد نوحی کے نام سے موسوم ہے ۔ یہی ابجد نوحی ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد ہے ۔ ان حالات میں اہلِ مشرق کے لیے تاریخ گوئی محض ایک مشغلہ نہیں ہو سکتی تھی ۔ ہمارے نزدیک جملہ علوم کا سرچشمہ ذاتِ ربانی ہے ۔ خواہ وہ علم الاعداد ہو یا علم ہندسہ ۔ اس کے برخلاف اہلِ مغرب نے یہ علوم مشرق سے مستعار لیے ۔ چنانچہ مغرب میں اسما و اعداد کی بنیاد ذاتِ خداوندی نہ تھی ۔ عملی ضروریات نے مغربی اقوام کو پرانی تہذیبوں سے فائدہ اٹھانے پر مجبور کیا ، جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا ہے ۔ اہلِ یونان نے مصریوں سے علم ہندسہ سیکھا اور مصریوں کے تصویری طرزِ تحریر کی ارتقائی صورت یورپ کی مختلف قوموں کی طرزِ تحریر میں پائی جاتی ہے ۔ تاریخ گوئی کے متعلق یونان و روم کی تہذیبوں میں وہ ذوق و شوق نہ پیدا ہو سکا جو مشرق میں تھا ۔ بعد کی مغربی تہذیبوں نے ایک تفریحی مشغلے کے طور پر تاریخ گوئی کو اختیار کیا ۔ لیکن پورے حروف تہجی کی قیمتیں مقرر کرنے سے اہلِ یورپ قاصر رہے ۔ وہاں بھی تاریخ گوئی کا فن نشوونما پا سکتا تھا اگر ان کی حروفِ تہجی کا ہر حرف با قیمت ہوتا اور اسما و اعداد کو کوئی مذہبی حیثیت دے سکتا ۔ یا اس کا تعلق علوم ظاہری و باطنی سے قائم کر سکتے ۔

ابجد کا ایجاد :

سامی الاصل مذاہب میں تخلیقِ کائنات کی بنیاد آواز پر تسلیم کی گئی ہے ۔ بقولِ صوفیہ جب خلاقِ عالم نے ارشاد فرمایا "کن" تو کائنات عدم سے وجود میں آگئی ۔ مسیحی عقیدہ ہے ۔ ابتدا میں کچھ نہ تھا مگر کلمہ اور اسی سے روشنی پھیل گئی ، چیزوں نے واضح شکل اختیار کرلی ۔ اگر کون و مکان کی بنیاد آواز پر ہے اور

نظام عالم میں ایک معنویت اور ربط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آواز میں گہرے معانی چھپے ہوئے نہ ہوں اور قرآن حکیم میں مقطعات کہ جن کے اسرار تک علمائے مذہب نہیں پہنچ سکے ہیں ، ضرور اپنے اندر معنویت رکھتے ہوں گے ۔ 'الم' ہی کو لیجئے ؛ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان حروف کے استعمال سے منشائے ربانی کیا ہے ۔ ہم ان حروف کو جوڑتے ہیں اور تاریخی حساب لگاتے ہیں تو حاصل جمع ایک ایسا عدد نکلتا ہے جو شہدائے کربلا کی تعداد کے برابر ہے ۔ اور اسی طرح عظمتِ اعداد کا اندازہ لگانا ہو تو ۷۸۶ کے اعداد پر غور کیجیے جن سے ہماری ہر تحریر شروع ہوتی ہے ۔ جن کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ لکھا جاتا ہے ۔ کتب سماوی کے متعلق حکما کا خیال ہے کہ ان میں باطنی علوم کا ایک ابدی سرچشمہ جاری ہے ، لیکن حکمتِ الٰہی تک ذہنِ انسان کی رسائی نہیں ۔ انسانی علم محدود ہے ۔ اس کے حدود کا تعین انسانی معاشرے کی تاریخ کرتی ہے ۔ انسانی معاشرہ جب وجود میں آیا ہوگا تو سب سے پہلے انسان کی توجہ کو موسم کی تبدیلیوں نے اپنی طرف کھینچا ہوگا ۔ موسم کی تبدیلیاں گویا وقت کا دائرہ ہیں ۔ یوں ہی دنوں سے مہینے اور مہینوں سے سال ہو جاتا ہے اور ہم جہاں سے چلے پھر وہیں پہنچ جاتے ہیں ۔ سورج کی گردش میں تو غیر متمدّن انسان کے لیے شاید کوئی بات حیرت انگیز نہ معلوم ہوتی ہوگی لیکن چاند کا بڑھنا گھٹنا ضرور جاذبِ توجہ ہوا ہوگا ۔ اس کا ثبوت مختلف زبانوں میں چاند کے لیے جو لفظ وضع کیے گئے ہیں ۔ ان پر غور کرنے سے واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے ۔ ایک فارسی زبان ہی کو لے لیجیے : "ماہ" کے معنی چاند کے ہیں اور "ماہ" کے معنی مہینے کے بھی ہیں ۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ انسانی معاشرے میں سورج سے پہلے چاند کی پرستش ہوتی تھی ۔ "ماہ" اور "من" میں ایک ربط باہمی ہے ۔ ایک طرف انسان نے وقت کی پیمائش کے لیے پیمانے مقرر کیے اور دوسری جانب چیزوں کو وزن کرنا سیکھا اور اوزان کے پیمانے بنے ۔ جیسا جیسا علمِ انسان بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ ہی انسانی معاشرہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا ، حساب کے علم کو بھی ترقی ہوتی گئی ۔ مختلف زبانوں میں حروف تہجی وضع ہوئے اور کم از کم ان میں سے بعض زبانوں میں حروفِ تہجی کو ریاضی کے ساتھ ہم رشتہ کیا گیا ۔ اس طرح حروف اور اعداد

میں مطابقت پیدا ہوئی ۔ ایک نظریے کے مطابق جہاز رانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ فنیقی قوم نے حروفِ تہجی کی قیمت مقرر کرنے کی اہمیت کو سمجھا ۔ اگر یہ نظریہ درست ہے تو ابجد کی ایجاد کا سہرا فنیقی قوم کے سر ہے ۔ جہاز رانی کا فن ، فاصلوں کی پیمائش کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا تھا ۔ سمت اور فاصلہ متعین نہ ہو تو جہاز رانی کیوں کر کی جاسکتی ہے ۔ لہٰذا یہ امر قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے ۔ کہ فاصلوں کی پیمائش کے لیے چند اصطلاحات وضع کی گئی ہوں گی ۔ حروف تہجی کو اس کام میں لایا گیا ہوگا ۔ ہر حرف کی قیمت مقرر کی گئی ہوگی اور مجموعہ اعداد سے کلمے بنا کر فاصلوں کا حاصل جمع ظاہر کیا جاتا ہوگا ۔ فنیقی اور سریانی زبانیں استدادِ وقت کے ہاتھوں مٹ گئیں لیکن عربوں نے اس علم کو وسعت دی اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا ۔ پرانی زبانوں میں حروفِ تہجی کی قیمت چار سو سے اوپر نہ تھی ۔ عربوں کی ابجد میں ثخذ اور ضظغ کے اضافے نے اسے ایک ہزار تک پہنچایا ۔ ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد عربی ابجد پر ہے ، اور نظامِ تقویم کے اعتبار سے یہ ایک مکمل ابجد ہے ۔ تاریخ گو شاعر کے لیے ایک سے ہزار تک کے اعداد کافی و شافی ہیں ۔ خواہ وہ ہجری تاریخ نکالے یا عیسوی یا فصلی یا بکرمی یا اس سے بھی مختلف کوئی تقویم استعمال میں لائے ۔ سندھ کے ایک طبیب گنگا مانک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہارون رشید خلیفۂ بغداد کا متوسل تھا اور رموز ابجد پر گہری نظر رکھتا تھا ۔ لمبی چوڑی تاریخیں نکالنے کے لیے اس نے ایک سہ حرفی کلمہ ایجاد کیا جس کے پہلے حرف سے دس ہزار ، دوسرے سے پچاس ہزار اور تیسرے سے ایک لاکھ عدد منسوب کیے ۔ بنیاد اس کلمے کی ہندی الاصل غیر عربی حروف پر تھی ۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابجد میں یہ کلمہ بڑھا دیا جاتا ۔ تو تاریخ گوئی میں مزید سہولت ہوجاتی ۔ لیکن اصل میں ایسا نہیں ہے ۔ یہی وجہ اس کلمے کے متروک ہوجانے کی معلوم ہوتی ہے ۔ عیسوی تقویم بیسویں صدی اور اسلامی تقویم چودھویں صدی کے حدود کے اندر ہے ۔ لہٰذا کسی ایسی تاریخ کی ضرورت مدتوں بھی پیش نہیں آسکتی ۔ جس میں حاصلِ اعداد دو ہزار سے اوپر ہو ۔ عربی حروفِ تہجی کے علاوہ جو حروف اپنی اصل کے اعتبار سے ایرانی یا ہندی ہیں ، ان کے لیے الگ قیمتیں مقرر نہیں کی گئیں اور اس طرح تاریخ گوئی

کی بنیاد عربی ابجد پر قائم رہی ۔

حروف کی قیمت قدیم ہندوستان میں :

مشرقی زبانوں میں عربی اور سنسکرت کو مساوی طور پر دنیا کی قدیم ترین زبانیں تسلیم کیا گیا ہے ۔ اسلامی عقیدہ یہ ہے ۔ کہ دنیا کی پہلی زبان عربی ہے ۔ یہی وہ زبان ہے جسے لے کر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے اور یہی وہ زبان ہے جس میں آسمانی صحیفے نازل ہوئے ۔ آریائی اقوام خصوصاً ہنود کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا کی سب سے قدیم زبان سنسکرت ہے ۔ یہ دیوتاؤں کی زبان کہلاتی ہے اور وید مقدس اسی زبان میں اُترے ۔ ہندوؤں کا ایک قدیم علم سنکیت ودیا ہے ۔ اس علم میں سنسکرت حروفِ تہجی کی قیمت متعین ہے ۔ ہندوؤں کا دعویٰ ہے ۔ کہ اعداد کو حروف پر تقدیم حاصل ہے ۔ اُوپر اشارہ کیا جاچکا ہے ۔ کہ اس باب میں دو متضاد نظریے پائے جاتے ہیں ؛ بعض مفکرین کا قول ہے ۔ کہ پہلے حروف ایجاد ہوئے اور ان کے بعد ہندسے برخلاف اس کے بعض علما کہتے ہیں کہ پہلے ہندسے ایجاد ہوئے اور پھر حروف ۔ سنکیت ودیا اس عقیدے پر قائم ہے کہ ہندسے کو حروف پر فوقیت حاصل ہے یعنی ہندسے پہلے ایجاد ہوئے اور حروف بعد میں ۔ سنکیت ودیا کے اعتبار سے سنسکرت حروف تہجی ایک سے لے کر سنکھ تک پہنچتے ہیں ۔ سنسکرت حروف تہجی بہ اعتبار تعداد چھتیس مانے گئے ہیں ۔ جن میں متعدد حروف ایسے شامل ہیں ۔ جو ہماری ابجد میں موجود نہیں اور اس کے ساتھ ہی بعض ایسے حروف کا وجود نہیں ملتا جو ہماری ابجد میں موجود ہیں ۔ سنکیت ودیا میں

---

۱ ۔ رسالہ 'زمانہ' کانپور ، جلد ۱۱ ، شمارہ ۶ صفحہ ۳۰۷ ۔ کنکا مانک صاحبِ تصنیف تھا ۔ شاناقِ ہندی کی "کتاب السموم" کا فارسی میں اسی نے ترجمہ کیا ۔ حالات کے لیے طبقات الاطبا اور تاریخ الاطبا مؤلفہ شمس الاطبا حکیم و ڈاکٹر غلام جیلانی طبع لاہور صفحہ ۳۵، ملاحظہ ہو ۔ تاریخ الاطبا کے مصنف نے اس کا نام منکہ ہندی لکھا ہے لیکن 'عرب و ہند کے تعلقات' سال اشاعت ۱۹۳۰ء از سید سلیمان ندوی کے صفحہ ۱۳۳ پر مندرج ہے کہ کیا ہم منکہ کو مانک سمجھیں ۔

(پ) ایک کے برابر ہے اور (پھ) حروفِ تہجی کا آخری حرف ہے اور اس کی قیمت (۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) دس سنکھ ہے ۔ نقشہ ذیل میں ہم ابجد کی قیمت سنکیت ودیا کے حساب سے پیش کرتے ہیں (بہ استثنا ان آوازوں کے جو ہندی مخارج نہیں ہیں)۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی
۴۰	۵۰	۲۰	۳	۷۰۰	۷	×	۷۰۰	۱۰۰	۹۰

ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
۵	۶۰	۴۰۰	۱۰	۴	+	+	۴	۵	۲	۴	۱۰۰

ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۴	+	+	+	+	+

ہم نے اس نقشے کو تلفظ کے اصول سے مرتب کیا ہے ، نہ کہ کتابت کے طریقے پر اسی لحاظ سے (س ص ث) کو ہم قیمت قرار دیا ہے اور (ت اور ط) کو اسی طرح ہائے ہوز اور حائے حطی کو ہم مرتبہ سمجھا ہے ۔ سنسکرت حروفِ تہجی میں مفرد حروف کے علاوہ مخلوط حروف بھی ہیں اور ان کی الگ الگ قیمتیں مقرر ہیں ۔ مثال کے طور پر (تھا) بھا ، دھا ، ٹھا ، ڈھاپھا ، درانحالیکہ ہماری ابجد میں ہر حرف مفرد ہے ۔ اسی طرح سنسکرت میں بعض حروف ایسی آوازوں کے لیے مخصوص ہیں جو سامی الاصل اقوام کی زبان میں موجود نہیں ۔ پ ، ٹ چ ، ڈ ، ڑ گ ۔ اب یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ سندھ کے طبیب گنگا مانک نے جو ہارون رشید خلیفہ بغداد کے دربار سے منسلک تھا ابجد کا علم حاصل کرنے کے بعد ایک سہ حرفی کلمے کا اضافہ اس لیے کرنا چاہا ۔ گنگا مانک کے سامنے ابجد کے علاوہ سنکیت ودیا بھی تھی ۔ قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ابجد کے حساب کو جو ایک ہزار پر ختم ہو جاتا ہے ۔ چند حروف کے اضافے سے ایک لاکھ تک بڑھایا جاسکے ۔

حروف کو ابجد کی طرز پر تبدیل کیا گیا ۔ ایرانیوں نے اصول ابجد کی پیروی کی ۔ لیکن چند حروف فارسی زبان میں ایسے تھے ، جو ابجد میں شامل نہیں ۔ مثلاً پ ، چ ، ژ ، گ ۔ ان حروف کو ان کے متشابہ عربی حروف ب ج ز ک کا متبادل قرار دیا گیا کہ تاریخ گوئی میں دشواری پیش نہ آئے ۔ چنانچہ فارسی حروف کی قیمت وہی مقرر کی گئی جو عربی حروف کی پہلے سے موجود تھی ۔ ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوا ۔ جب تاریخ گوئی یہاں عام ہوئی تو ہندی الاصل حروف ٹ ، ڈ ، ڑ کو ت ، د ، ر ، کا ہم قیمت قرار دیا گیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں تاریخ گوئی کے لیے سنکیت ودیا کی بجائے ابجد ہی کو اساس تسلیم کیا گیا ۔

حروف اور ہندسوں کی بحث میں کئی نظریے سامنے آتے ہیں ۔ ایک نظریہ جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے کہ فنیقی قوم نے جہازرانی کی ترقی کے دور میں سمت اور فاصلے کو سہولت سے ظاہر کرنے کی خاطر حروف کو عددی قیمت دی ۔ لیکن بعض محققین کا خیال ہے ۔ کہ جس طرح تصویری رسم الخط مصریوں کا ایجاد ہے ، اسی طرح حرف اور ہندسے کی مطابقت بھی مصری دماغ ہی کا کارنامہ ہے اور قدیم مصری تہذیب کے زوال کے بعد یونانیوں نے ان علوم کو اپنایا اور ان کے بعد اہل روما نے ۔ لیکن خود اہل مصر نے غالباً ہندوستان سے بعض چیزیں حاصل کیں ۔ پرانے زمانے میں چین اور ہندوستان میں عظیم تہذیبیں اُبھریں ۔ یہ معلوم کرنا محنت طلب اور مشکل ہے کہ ہند اور چین میں قدیم زمانے میں کیا تہذیبی رشتے تھے ۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ جس طرح افراد کے درمیان لین دین ہوتا ہے ، یہی صورت قوموں اور تہذیبوں کی ہے ۔ کسی نے کسی سے کیا سیکھا اور پھر عہد بہ عہد اس قسم کے لین دین کی کیا صورت رہی یہ تحقیق طلب امور ہیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ مصر اور ہندوستان میں تہذیبی تعلقات رہے ہیں ۔ ہندسے کے متعلق اہل ہند کا دعویٰ ہے کہ یہ ہندوستانی دماغ کا رہون منت ہے ۔ بظاہر یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ لفظ "ہندسہ" میں ہند شامل ہے ۔ ہندی خیالات و نظریات مصر کے ذریعے یونان پہنچے ۔ یہ ایک امر مصدقہ ہے کہ مصر کی جغرافیائی پوزیشن اس قسم کی ہے کہ وہاں مشرق اور مغرب ملتے ہیں ۔ گویا وہ ایک

نقطۂ اتحاد یا سنگھم ہے ۔ مشرق و مغرب کے مابین جو تجارت قدیم سے جاری ہے اس کا مرکز ہمیشہ ساحل مصر ہی رہا ہے ۔ تجارت کے ساتھ ساتھ خیالات و نظریات کی تجارت بھی ہوتی ہے ۔ اس طرح ایک ملک کا تہذیبی ورثہ دوسرے ملک تک پہنچتا ہے ۔ فیثا غورث ایک یونانی حکیم تھا جو آواگون پر یقین رکھتا تھا ۔ یونانی فلسفے میں آواگون کا عقیدہ ہندوستان سے آیا ۔ کیا عجب ہے کہ یہ نظریہ درست ہو کہ علم ہندسہ ہندوستان ہی میں ایجاد ہوا ہو اور وہیں سے مصر اور بالآخر یونان پہنچا ۔

حروف کی قیمت بعض دوسری زبانوں میں :

یونانی تہذیب جب افریقہ میں پھیلی تو ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہوئی ۔ افریقی و یونانی تہذیبوں کے میل جول سے قبطی زبان (Coptic) ظہور میں آئی ۔ جو بڑی حد تک یونان زبان سے مشابہت رکھتی ہے ۔ قبطی (Coptic) حروف تہجی میں حروف کی قیمت مقرر تھی ۔ قبطی رسم الخط میں تعداد حروف بتیس تک ہے ۔ جن میں سے پچیس یونانی ہیں جو قبطی حروف ہماری ابجد سے مطابقت رکھتے ہیں ، وہ حسب ذیل ہیں ۔ البتہ ان کی قیمتیں بعض اوقات ابجد سے مختلف ہیں ۔ یہ قیمتیں ایک سے نو سو تک ہیں۔

---

۱ ۔ مشہور یونانی حکیم فیثا غورث ۵۸۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا ۔ ۵۰۲ قبل مسیح وفات پائی ۔ جملہ علوم کی تکمیل اس نے مصر جا کر کی ۔ پھر مشرقی ممالک کی سیر و سیاحت کی ۔ جب اپنے وطن واپس پہنچا تو سیاسی اختلافات کی بنا پر وہاں قیام نہ کر سکا اور بالآخر اٹلی چلا گیا جہاں قروطا (Crotona) نامی شہر میں بس گیا اور درس و تدریس میں مشغول ہوگیا ۔ یہ پہلا شخص تھا جو فلسفی کہلایا ۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات کا مرکز سورج ہے اور دوسرے سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں ۔ یہ آواگون پر یقین رکھتا تھا اور حیوانی غذا کو ممنوع تصور کرتا تھا اس نے تحقیق کیا کہ کائنات کی بنیاد مادے پر نہیں ، ہندسے پر ہے اور ہندسوں کے روابط باہمی پر حواس خمسہ جن اشیا تک پہنچتے ہیں وہ محض تصورات ہی ہیں ۔ ہندسہ ہر چیز کی اصل ہے ۔ ریاضی اور نجوم میں فیثا غورث کی سائنسی تحقیقات ناقابل فراموش ہیں ۔

(Bleton Dictionary of Universal Biography. Page 867).

۲ ۔ ہندسہ مشتق ہے "ہندزا" سے ۔ یعنی اہل عرب کے خیال کے مطابق زائیدۂ ہند (علم تاریخ از منشی اودھم سنگھ سردار ، صفحہ ۱۳ مطبوعہ لاہور ، سال اشاعت ۱۹۱۲ء) ۔

ا ب ج د ه و ز ح ط ی ک ل م ن

۱ ۲ ۳ ۴ ۸ ۷۰ ۷ ۸ ۳۰۰ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰

۲۰۰ × ۹۰ ۲۰۰ ۲۰ ۱۰۰ ۹۰۰ ۳۰۰ ۲۰۰ × ۷ ۷ ۷ +

جزیرہ نمائے بلقان میں بعض مخصوص رسم الخط جاری رہے ہیں ۔ یہاں کے رہنے والے سلاف نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور مذہباً رومن کتھولک ہیں ۔ ایک متروک رسم الخط جو نویں صدی عیسوی میں سلافی قوم میں جاری تھا ، سریلک کہلاتا تھا ۔ یہ رسم الخط یونانی سے مشابہ تھا سریلک حروف تہجی میں حروف کی قیمت مقرر تھی ۔ اس حروف تہجی کی تعداد اڑتیس تھی جو حروف ہماری ابجد سے مطابقت رکھتے ہیں ان کی قیمتیں درج ذیل ہیں جو ایک سے ہزار تک ہیں ۔

ا ب ج د ه و ز ح ط ی ک ل م ن

۱ × ۵ ۱۰ ۳ ۹ ۱۰ ۳۰ ۲۰ ۳۰ ۵۰ ۶۰ ۷۰

س ع ف ص ق ر ش ت ث خ ذ ض ظ غ ،

۲۰۰ × ۵۰۰ ۹۰۰ ۴۰ ۱۰۰ × ۳۰ ۲۰۰ × ۸ ۹ ۹ ×

عربی کے علاوہ قدیم زبانوں میں حروف اور ہندسوں کے مابین مطابقت کا پایا جانا حیرت انگیز ہے ۔ ہم نے اوپر چند زبانوں کی مثالیں پیش کی ہیں ۔ ایسی دوسری زبانیں بھی موجود ہیں اوراس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن جس مخصوص تاریخ گوئی سے ہمارا تعلق ہے ، دوسری زبانوں میں اس کا پایا جانا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا ۔

تاریخ گوئی کی بنیاد کتابت پر ہے یا تلفظ پر ۔ یہ فن تاریخ گوئی کا ایک مخصوص مسئلہ ہے ۔ جس پر آگے چل کر اظہار خیال کیا جائے گا ۔ البتہ جن حروف تہجی کا ذکر سطور بالا میں کیا جاچکا ہے، ان کے متعلق یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہم نے صوتی اعتبار سے ان کی مطابقت ابجد کے ساتھ کی اور اسی اعتبار سے مختلف زبانوں کے حروف کی قیمت ابجد میں ظاہر کرکے دکھائی ہے ۔ چنانچہ یہ اشتباہ نہ ہونا چاہیے کہ ابجد کے مختلف حروف کی قیمت دوسری زبانوں میں ان زبانوں کے قواعد کے مطابق مقرر کی گئی ہے یا نہیں ۔ ہم نے اس سلسلے میں ہائے ہوز (ہ) اور حائے حطی (ح)

کو ہم قیمت قرار دیا ہے اور اسی طرح (ز ذ ظ ض) کو ہم قیمت ٹھہرایا ہے اور (ث س و ص) اور اسی طرح (ت ط) وغیرہ ہم کو ۔ ہماری مراد ابجد کے مطابق ایک صوتی ہم آہنگی تلاش کر کے قیمت مقرر کرنا ہے ۔

ابجد آدم و نوحی :

ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد ابجد پر ہے ۔ چنانچہ اب ہم اپنی تاریخ گوئی کے بنیادی مسئلے کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ عرف عام میں ابجد صرف ایک قسم کی ہے اور اس امر میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ، اس لیے کہ فارسی و اردو تاریخ گوئی میں اس ابجد کو کام میں لایا جاتا رہا ہے لیکن تاریخی اعتبار سے موجودہ ابجد سے پہلے بھی ایک ابجد کا سراغ ملتا ہے بعض علما کا عقیدہ یہ ہے کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جب جنت الفردوس سے خاکدان ارض میں آئے تو ایک بہشتی زبان اپنے ساتھ لائے جو اپنی اصل کے اعتبار سے عربی ہی کی ایک شکل تھی ۔ یہ زبان عبرانی سے مشابہت رکھتی تھی اور اسی کو ابجد یا خالص عربی زبان کی حیثیت حاصل ہو گئی ۔ ابجد آدم ہماری ابجد ہی کی ایک ابتدائی صورت ہے ۔ ابجد آدم میں بھی حروف کی قیمت مقرر تھی ، اگرچہ وہ ہماری ابجد سے بعض صورتوں میں مختلف ہے ۔

(۱)	ا	ب	ت	ث	(ابتث)
		۱	۲	۳	۴
(۲)	ج	ح	خ	د	(جحد)
		۵	۶	۷	۸
(۳)	ذ	ر	ز	س	(ذرزس)
		۹	۱۰	۲۰	۳۰

(۴)	ش	ص	ض	ط	(شصضط)
		۴۰	۵۰	۶۰	۷۰
(۵)	ظ	ع	غ	ف	(ظعغف)
		۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰
(۶)	ق	ک	ل	م	(قکلم)
		۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰
(۷)	ن	و	ہ	ی	(نوہی)
		۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

اس ابجد کی تعریف یہ ہے کہ یہ اعتبار ترتیب یہ عربی حروف تہجی سے مکمل مطابقت رکھتی ہے لیکن باعتبار قیمت ہماری ابجد سے مختلف ہے ۔ اور بہ قول صاحبِ غرائب الجمل "اگر یہ مروج رہتی تو اعداد مروجہ و مخصوصہ حروف ابجد نوحی میں بھی کایا پلٹ ہو جاتی اور اس کا نام بہ عوض ابجد (ابتث) رکھا جاتا ۔" بہرحال ابجد آدم تاریخ گوئی میں متروک ہے اور ہماری تاریخ گوئی کی اساس ابجد نوحی پر قائم ہے ۔

ہماری ابجد کو ابجد نوحی کا لقب دیا جاتا ہے اور عام عقیدہ ہے کہ یہ ابجد آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام پر نازل ہوئی ۔ علما کا قول ہے کہ ابجد نوحی کے الفاظ سریانی کے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ملک سوران ایک جزیرہ تھا جس میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ طوفان نوح سے پہلے اقامت گزیں تھے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو زبان لے کر اترے تھے ، وہ عربی تھی ۔ لیکن زمانۂ دراز کے بعد تحریف ہوکر سریانی ہو گئی ۔ بہ اعتبار تعداد حروف ، ابجد آدم اور ابجد نوحی میں فرق نظر نہیں آتا ۔ ابجد نوحی آٹھ کلموں پر مشتمل ہے ۔

(۱) ابجد (۲) ہوز (۳) حطی (۴) کلمن (۵) سعفص (۶) قرشت (۷) ثخذ (۸) ضظغ ۔

ان کلموں کے بارے میں مختلف روایات ہیں ۔ چنانچہ صاحب غیاث اللغات کا قول ہے کہ :

(۱) ابجد : یعنی آدم پائے گئے گناہ میں۔
(۲) ہوز : یعنی پیروی کی آدم نے ہوائے نفسانی کی۔
(۳) حطی : یعنی محو کیا گیا ان کا گناہ توبہ و استغفار کی وجہ سے ۔
(۴) کلمن : یعنی کلام کیا ایک کلمے سے ، پس قبول ہوئی ان کی توبہ پروردگار کی رحمت سے ۔
(۵) سعفص : یعنی تنگ ہوئی دنیا ان پر لہٰذا انھیں بہت کچھ دیا گیا ۔
(۶) قرشت : یعنی اعتراف کیا اپنے گناہ کا ، چنانچہ مشرف بہ کرامت ہوئے ۔
(۷) ثخذ : یعنی حاصل کی اللہ سے قوت ۔
(۸) ضظغ : یعنی جاتا رہا شیطان کا دباؤ اُن پر سے بہ سبب کلام حق و توحید کے ۔[1]

ایک قول کے مطابق اباجاد نامی ایک بادشاہ تھا ، اسی کے نام کا مخفف ابجد ہے اور باقی سات کلمے اس کے سات فرزندوں کے نام ہیں ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرامر نامی ایک شخص نے لکھنا ایجاد کیا اور یہ آٹھوں لفظ مرامر کے آٹھ فرزندوں کے نام ہیں ۔ ایک اور قول کے مطابق ان کلموں کے مخصوص معنی ہیں ۔:

(۱) ابجد : آغاز کیا۔
(۲) ہوز : مل گیا۔
(۳) حطی : واقف ہوا ۔
(۴) کلمن : سخن گو ہوا۔
(۵) سعفص : اس نے سیکھا ۔

---

۱ ۔ غرائب الجمل ، صفحہ ۲۷ ۔
۲ ۔ غرائب الجمل ، صفحہ ۲۶ ، ۲۷ ۔

(۶) قرشت : ترتیب دیا گیا۔
(۷) ثخذ : نگہبانی کی۔
(۸) ضظغ : تمام کیا۔

بعض علما نے ان آٹھوں کلموں کو شیاطین کے ناموں سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے ان کو سلاطین کے ناموں سے مگر عین ممکن ہے کہ یہ کلمے بامعنی نہ ہوں اور محض ابجد کی ترتیب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہوں۔ ہمارے خیال میں یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

"ابجد یا ابوجد حفظ کرنے کی غرض سے عربی زبان کے اٹھائیس حروف ہجا جن مد حفظ آٹھ کلموں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلا کلمہ مشرق میں ان قابل حفظ کلمات کے پورے سلسلے کی ترتیب اور ان کے حرکات بالعموم حسب ذیل طریق پر ہیں:

ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ۔ [المغرب (شمالی افریقہ و جزیرہ نمائے سپین و پرتگال) میں پانچویں چھٹے اور آٹھویں مجموعہ حروف کی ترتیب مختلف تھی۔ چنانچہ مکمل فہرست بصورت ذیل تھی۔ ابجد، ہوز، حطی کلمن، صعفض، قرشت، ثخذ، ظغش۔] مشرقی سلسلے کے پہلے چھ مجموعوں میں "فنیقی" زبان کے حروف ہجائیہ کی ترتیب بعینہ باقی ہے۔ آخر کے دو اضافی مجموعے ان حروف صامت (Consonants) پر مشتمل ہیں جو عربی سے مخصوص ہیں۔ اور اسی لیے "روادف" (یعنی پچھلے حصے پر سوار) کہلاتے ہیں۔

علمی نقطۂ نگاہ سے حروف ہجا کی اس ترتیب میں دلچسپی کا صرف ایک ہی پہلو نکلتا ہے؛ وہ یہ کہ عربوں نے (یونانیوں کی طرح) ہر حرف کی اس کے مقام کے لحاظ سے ایک عددی قیمت مقرر کر دی تھی۔ اس طرح سب کے سب اٹھائیس حروف نو نو حرفوں کے تین متواتر سلسلوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اکائیاں (۱ سے ۹ تک) دہائیاں (۱۰ سے ۹۰ تک) سیکڑے (۱۰۰ سے ۹۰۰ تک) اور ہزار۔

۱۔ آریانہ، دائرۃ المعارف جلد اول (۱۳۲۸) مطبع عموی کابل صفحہ ۶۷۳۔

ظاہر ہے کہ پانچویں ، چھٹے اور آٹھویں مجموعے میں آنے والے ہر حرف کی قیمت عددی مشرقی اور مغربی سلسلوں میں مختلف ہے ۔

اعداد کے طور پر عربی حروف کا استعمال ہمیشہ محدود اور استثنائی رہا ہے کیوں کہ ان کی جگہ اصلی ہندسوں نے لے لی ہے ۔ تاہم وہ حسبِ ذیل صورتوں میں اب بھی استعمال کیے جاتے ہیں : (۱) اصطرلابوں میں ۔ (۲) قطعاتِ تاریخی (عموماً منظوم) میں ، کتبوں کی شکل میں یا اور طرح جو ایک خاص قاعدے سے اور بعض قسم کے طلسم لکھنے میں (جیسے ب د و ح کی قسم کے ۲ ، ۴ ، ۶ ، ۸) آج کل بھی شمالی افریقہ کے طالب [عامل] ٹونے ٹوٹکے کے بعض عملوں کے لیے حروف عددی کی قیمتوں کو ایک خاص قاعدے کے مطابق جو "ایقش" کہلاتا ہے ، استعمال کرتے ہیں ۔ اس عمل کے ماہر کو دیسی زبانوں میں "یقشاش" کہتے ہیں ۔ (۴) آج کل کے معمول کے مطابق دیباچوں اور مضامین کی فہرستوں کے صفحات پر نمبر لگانے کے لیے جہاں اہل یورپ رومی حروف (Romon) استعمال کرتے ہیں۔

عربی حروف کی ابجدی ترتیب صوتی یا صوری اعتبار سے کسی خاص چیز سے واقعتہً مطابقت نہیں رکھتی ، اگرچہ وہ یقیناً بہت قدیم ہے ۔ جہاں تک پہلے بائیس حروف کا تعلق ہے ، یہ ترتیب ایک قدیم لوح میں موجود ہیں جو راس شمرہ [عربوں کا گاؤں جو مغربی شام میں لاذقیتہ (Latakia) کے قریب واقع ہے] میں دستیاب ہوئی ہے اور جس میں ان میخی علامات کی فہرست درج ہے جن سے چودھویں صدی قبل مسیح کے اوگاریت (Ugarit) لوگوں کے حروف ہجا بنتے تھے ۔ (اگاریت زبان ایک سامی زبان ہے جس کا رشتہ قدیم عبرانی سے ملتا ہے لہٰذا اس ابجدی ترتیب کا کم از کم کنعانی الاصل ہونا یقینی ہے ۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عبرانی اور آرامی حروف ہجا میں یہ ترتیب قائم رکھی گئی اور بلاشبہ عربوں نے مؤخرالذکر حروف کے ساتھ یہ ترتیب بھی اختیار کر لی ہوگی ۔ لیکن عرب چوں کہ دوسری سامی زبانوں سے ناواقف تھے ، علاوہ ازیں بہت سے خصوصی میلانات رکھتے تھے جو ان کی قومی خود شعوری اور حسنِ افتخارِ قومی کا نتیجہ تھے ، لہٰذا وہ ان ممّد حفظ کلمات یعنی ابجد وغیرہ کی جو انھیں "روایہ" ملے تھے اور ان کے لیے ناقابل فہم تھے ، دوسری توجیہات تلاش کرتے

رہے ۔ انھوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے ، وہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو، محض افسانہ ہے" (اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۱ "کراسہ ٦" ص ۳۳۷ ـ ۳۳۸) ۔

ذیل کے نقشے سے عربی حروف تہجی کی قیمت ظاہر ہو گی ۔ یہ نقشہ بہ اعتبار ابجد ہے اور فنِ تاریخ گوئی میں حروف کی یہی قیمتیں مستند تسلیم کی گئی ہیں ۔

(۱) ابجد (۲) ہوز

حروف ۔ ا ب ج د ھ و ز

اعداد ۔ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ٦ ۷

(۳) حطی (۴) کلمن

حروف ۔ ح ط ی ک ل م ن

اعداد ۔ ۸ ۹ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰

(۵) سعفص (٦) قرشت

حروف ۔ س ع ف ص ق ر ش ت

اعداد ۔ ٦۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰

(۷) ثخذ (۸) ضظغ

حروف ۔ ث خ ذ ض ظ غ

اعداد ۔ ۵۰۰ ٦۰۰ ۷۰۰ ۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

ابجدِ نوحی یا ابجدِ ادریسی :

ابجدِ نوحی کو ابجدِ ادریسی بھی کہتے ہیں ۔ ایک قول کے مطابق ہماری ابجد حضرت ادریس پر اور دوسرے قول کے مطابق حضرت شیث پر نازل ہوئی ۔ لیکن تاریخی اعتبار سے اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہماری ابجد فیضان ہے حضرت علیؑ کا جو اسلامی عقیدے کے مطابق بابِ علم تھے ۔ عربی صرف و نحو کے قواعد جس طرح حضرت علیؑ نے وضع کیے ، اسی طرح فن کتابت میں اعراب بھی آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں ۔ آپ کے ایک شاگرد ابو ادریس احمد بن احمد

بن احمد کوفی تھے ۔ اس زمانے تک ہندسوں کو رومن حروف میں لکھنے کا رواج عام تھا ۔ چنانچہ اصحابِ رسولؐ میں سے حضرت ایوب انصاریؓ کے مقبرے پر سال رومن حروف میں درج تھا ۔ ابو ادریس کی جدت پسند طبیعت کو خیال پیدا ہوا کہ رومن حروف تہجی میں محض سات حروف کی قیمت مقرر ہے ۔ کیوں نہ جملہ حروف تہجی کی قیمت مقرر کی جائے ، اس طرح ہر حرف با قیمت ہو جائے گا ۔ اس خیال کے پیش نظر انھوں نے ابجد یعنی عربی حروف تہجی کو ایک نئی ترتیب دے کر ہر حرف کی جداگانہ قیمت مقرر کر دی۔ اس ابجد کو ابجد نوحی یا ابجد ادریسی کہہ کر پکارا جاتا ہے ۔ حروف کی قیمت مقرر کر دینے سے تاریخ گوئی ممکن ہو گئی ورنہ یہ فن شریف وجود ہی میں نہ آسکتا تھا ۔ تاریخ گوئی کی بنیاد ابجد پر بہ اعتبار کتابت قائم ہے ، نہ کہ بہ اعتبار صوت و تلفظ ورنہ بر صغیر پاک و ہند کے لہجے کے مطابق الف اور عین میں واضح تضاد موجود نہیں ۔ نہ ایسا تضاد ت اور ط ، نہ ث س ص ، نہ ز ذ ظ ض میں ہے ۔ یہی حال اہل ایران کا سمجھنا چاہیے ۔ وہ بھی عربی مخارج کے پابند نہیں ۔ یہ امر بالکل واضح ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ تاریخ گوئی کے لیے کتابت ہی کو بنیاد قرار دینا درست ہے ۔ اگرچہ اس سلسلے میں بعض علما نے اختلافِ رائے بھی کیا ہے لیکن وہ کچھ ایسا وقیع نہیں ہے ۔ تاریخ گو شعرا کا عمل ابو ادریس کے مقرر کردہ ابجد کے اصول پر قائم ہے۔

---

۱ ۔ ۵۰ھ میں حضرت علیؓ کے فیضان کے اثر سے ابوالاسود دوئلی نے اعراب ایجاد کیے جن کی صورت نقطوں کی تھی ۔ زبر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ ، زبر کے لیے ایک نقطہ اوپر اور پیش کے لیے بازو کنارے دو نقطے لگائے جاتے تھے ۔ (رسالہ نگار ، لکھنؤ ، جلد ٦٦ ، شمارہ ۳ ، صفحہ ۳۰) پھر دوسری صدی ہجری میں عبدالرحمٰن بن احمد عروضی (متوفی ۱۷۰ھ) نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں ۔ جن میں اعراب کے لیے قرمزی رنگ کے نقطوں کا استعمال ترک کر دیا گیا ۔ نصر بن عاصم نے حجاج کی منشا کے مطابق حرفوں میں فرق کرنے کے لیے نقطے وضع کیے اور اعراب کے لیے قرمزی رنگ کے نقطے (نگار لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۶ اور "زمانہ" کانپور جلد ۵۰ نمبر ۲ صفحہ ۲۵)۔

۲ ۔ ابو ادریس احمد بن احمد بن احمد کوفی (جو ایک واسطے سے جناب امیر علیہ السلام کے شاگرد ہوتے ہیں) نے یہ فیصلہ کیا ۔ کیا وجہ ہے کہ سب کے سب ۲۸ حروف جدا اشکال کے لیے تجویز نہ کیے جائیں اور کیوں اہل روما کی تقلید پر صرف ، حروف کو لے کے باقی ۲۱ حروف کو بے کار سمجھا جائے (زمانہ

ابجد کا حساب ایک سے لے کر ہزار تک پہنچتا ہے پہلے نو حروف کو احاد یعنی اکائیاں ، بعد کے نو حروف کو عشرات یعنی دہائیاں اور ان کے بعد نو حروف مآت یعنی سیکڑے اور آخری حرف کو الف یعنی ایک ہزار مانا گیا ہے ۔ فنیقی اور اس سے ماخوذ بعض دوسرے رسوم الخط میں چار سو تک کے اعداد مستعمل تھے ۔ یعنی ابجد سے لے کر قرشت تک ۔ یہ کارنامہ ابو ادریس ہی کا تھا کہ اس نے ثخذ اور ضظغ کے کلمات کا اضافہ کر کے تاریخ گوئی کے لیے ایک سے لے کر ایک ہزار تک کا انتظام کیا ۔ چنانچہ ابجدِ آدم اور ابجدِ نوحی کے متعلق روایات و مفروضات سے قطع نظر کر کے تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ابجد کی بنیاد حضرت علیؓ کے زمانے میں پڑی اور اس کا موجد آپ کا ایک شاگرد ابو ادریس تھا ۔ بہ اعتبار تقدیم و تاخیر قرینِ قیاس یہ امر ہے کہ ابجد ادریسی کے بعد وہ ابجد بھی وضع ہوئی جسے اب ہم ابجد آدم کہتے ہیں ، یعنی عربی حروفِ تہجی کو بہ اعتبار ترتیب سامنے رکھ کر اس کی قیمت نئے سرے سے مقرر کی گئی ۔ اس کو ابتث کہنا مناسب ہوگا ۔ لیکن ابتث کو قبول عام کا شرف حاصل نہ ہو سکا اور تاریخ گوئی کی بنیاد ابجدِ ادریسی قرار پائی ۔

تاریخ گوئی کے قدیم ترین نمونے :

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ ہمارے پاس عرب شاعروں کی تاریخ گوئی کے قدیم ترین نمونے موجود نہیں ہیں ۔ ہماری تاریخ گوئی کی ابتدا فارسی شاعری سے ہوتی

کانپور جلد ۱۱ شمارہ نمبر ۶ ص ۲۰۵) ۔

دراصل حساب جمل کا مخترع ابو ادریس احمد بن احمد بن احمد ہے جس نے اٹھائیس حروف کو باہم ترتیب دے کر آٹھ کلمے بامعنی وضع کیے ہیں ۔ اس کا نام ابجد ادریس رکھا (معلوم تاریخ از منشی اودھم سنگھ سردار امرتسری صفحہ ۱۲) ۔

۱ ۔ علم الکتابت یا ابجد کی تاریخ از مولانا عبدالرزاق رسالہ کانپور فروری ۱۹۲۸ء میں اس موضوع پر تفصیلی بحث موجود ہے ۔ پہلے عربی میں کل بائیس حروف تھے جن میں بعد ازاں ۶ حروف (ث ، خ ، ذ ، ض ظ ، غ) کا اضافہ کیا گیا ۔ (نگار لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۳۱) ۔

ہے ۔ سب سے قدیم نمونے تاریخ گوئی کے ایرانی شاعری میں پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد فارسی گویانِ ہند کی شاعرانہ کاوشوں میں ملتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اردو شاعری کا دور شروع ہوتا ہے اور تاریخ گوئی کا سلسلہ فارسی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں پھیل جاتا ہے ۔ معلوم نہیں کہ عرب شعرا نے تاریخ گوئی کی طرف ابتدا سے توجہ نہیں کی یا اگر توجہ کی تو اس کے نمونے باقی نہیں رہے یا انھوں نے شہرت حاصل نہیں کی اور وہ ہم تک نہیں پہنچے ۔ ممکن ہے پرانی کتابوں میں عربی تاریخ گوئی کے قدیم نمونے ڈھونڈھ کر نکالے جا سکتے ہوں لیکن یہ شوق زیادہ تر فارسی اور اُردو شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تاریخی نام تجویز کرنے کا طریقہ اہلِ عرب میں عام رہا ہے ۔ یہ ایک خاص اسلامی طریقہ ہے پرانے زمانے میں عموماً ہر شخص کے دو نام ہوتے تھے ۔ ایک نام معروف ہوتا تھا اور دوسرا تاریخی جس سے سنہ پیدائش معلوم ہو سکتا تھا ۔ یہ ایک خالص عربی طریقہ کہلاتا ہے جو ہندوستان میں بھی پھیل گیا ۔ لیکن تاریخی قطعات کہنے کا رواج عربی شاعری میں یا تو موجود ہی نہ تھا یا بہت کم تھا ۔ فتح قسطنطنیہ کی تاریخ ایک عربی مورخ یوں نکالی :
بلدۃ طیبتہ (۸۵۷)

لیکن فارسی تاریخ گوئی کے نمونے اس تاریخ سے بہت قدیم دستیاب ہو جاتے ہیں ۔ فردوسی نے اپنے شاہ نامہ کی تاریخ ۴۰۰ ھ میں کہی ہے ۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار
کہ من گفتم ایں نامۂ نامدار
۵ × ۸۰ = ۴۰۰ ھ

اور گرشاسب نامہ کی تاریخ اسدی نے ۴۵۸ نکالی ہے :

ز ہجرت بدورِ سپہری کہ گشت
شدہ چار صد سال و پنجاہ و ہشت ۴۵۸ ھ

---

۱ ۔ ضبط التاریخ بالا حرف (عربی) بقلم جعفر نقوی جو مطبع العرفان پریس صیدا کی چھپی ہوئی ہے ۔ اس سے یہ تاریخ نقل کی گئی ہے ۔

یہ دونوں تاریخیں صوری ہیں ، یعنی شاعر نے بجائے کسی لفظ یا ٹکڑے یا مصرعے کے جس کے اعداد سے سال مطلوبہ برآمد ہوتا ، اپنے قطعے میں تاریخِ وقوعہ درج کردی ہے ۔ فارسی شاعری کی قدیم معنوی تاریخوں میں محقق طوسی کی یہ تاریخ قابل ذکر ہے ۔ اس نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی تاریخ "خون" نکالی جس کے عدد ۶۵۶ ہیں ۔ ایرانی شاعر خواجو کرمانی نے مثنوی 'ہمای و ہمایوں' کی تاریخ "بذل" نکالی جس سے ۷۳۲ ہجری برآمد ہوتے ہیں ۔

کنم بذل بر ہر کہ داری ہوی
کہ تاریخ آں نامہ بذل است وبس ۷۳۲

ان دنوں معنوی تاریخ نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ بجائے پورا مصرع یا ایک ٹکڑا تلاش کرنے کے کسی ایک لفظ سے سال مطلوبہ برآمد کیا جاتا تھا ۔ کسی ایک لفظ سے تاریخ نکالنا ظاہر کرتا ہے کہ تاریخ گوئی کے لیے شاعر ہونا چنداں ضروری نہ تھا ۔ جب تاریخ گوئی کی صنف کو رواج ہوا تو یہ شاعری کا ایک اہم جزو بن گئی ۔ شعرا نے تاریخ گوئی کو اپنا لیا ۔ تاریخیں مصرعوں کے ذریعے کہی جانے لگیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخی قطعات بطور ایک صنف شاعری کے وجود میں آگئے ۔ تاریخ گوئی کا فن جب ترقی پذیر ہوا تو طرح طرح کی صنعتیں نکل آئیں ۔ تعمیہ تخرجہ ہونے لگا ۔ نت نئی تاریخیں کہی جانے لگیں ۔ پیدائش ، وفات ، شادی بیاہ اور مختلف رسوم کے موقع پر شرفا میں یہ دستور ہو گیا کہ اس موقع کو یاد رکھنے کی خاطر اس کے متعلق تاریخی قطعات فراہم کیے جائیں ۔ اس طرح تاریخ گوئی کا تعلق معاشرے کی سرگرمیوں سے اور بھی گہرا ہو گیا اور یہ ضروری نہ رہا کہ محض تاریخی نوعیت کے واقعات ہی کو نظم کیا جائے اور ان کی تاریخ نکالی جائے ۔

---

۱ ۔ صاحب عالم مارہروی مرزا غالب کے احباب میں سے تھے ۔ ایک مقطع سے مرزا صاحب نے ان کا سال ولادت دریافت کیا ۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرا سال ولادت لفظ "تاریخ" سے برآمد ہوتا ہے ۔ مرزا غالب نے اس کے جواب میں صاحب عالم کو یہ شعر لکھ کر بھیج دیا :

ہاتف غیب زور سے چیخا ان کی تاریخ میرا تاریخا

۱۲۱۲ ۱۲۱۱

بیسیوں صدی عیسوی کے نصف اول تک برصغیر پاک و ہند میں تاریخ گوئی کے ساتھ عام دلچسپی پائی جاتی تھی ۔ بڑے بڑے شہروں اور علمی و ادبی مرکزوں سے قطع نظر دیہات میں بھی ایسے افراد کی کمی نہ تھی جو چلتے پھرتے تاریخ کہہ دیتے تھے ۔ یہ بھی ضروری نہ تھا کہ ایسے افراد شعر گوئی سے ذوق رکھتے ہوں اور ان کی طبیعت شاعری کے لیے موزوں ہو ۔ ہماری نظر سے بعض کم علم غیر شاعر تاریخ گو گزرے ہیں جو ایک مصرع بھی موزوں نہ کر سکتے تھے لیکن تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ جہاں فرمائش کی وہیں فوراً چند الفاظ کا ایک ٹکڑا ان کی زبان سے نکلا جس سے مطلوبہ تاریخ برآمد ہو گئی ۔ بعض مرتبہ تو صورت حال ایسی ہوتی تھی کہ سامعین کو ہنسی آجاتی تھی ۔ اس لیے کہ الفاظ کا جو مجموعہ مطلوبہ تاریخ کی نشان دہی کرتا تھا ، وہ اپنی جگہ بامعنی نہ ہوتا تھا ۔ بہرحال یہ ایک ذوقی مسئلہ ہے ۔ اصل بات تاریخ گو کے لیے یہ ہوتی ہے کہ مجموعہ الفاظ سے خواہ اور کچھ کام لیا جاسکے یا نہ لیا جاسکے ، تاریخ ضرور برآمد ہو جائے ۔ برخلاف اس کے بعض اکابر شعرا کے ہاں جملہ شاعرانہ خوبیاں موجود ہونے کے باوجود یہ عین ممکن ہے کہ طبیعت تاریخ گوئی کی طرف مائل نہ ہو ۔ تاریخ گوئی کا عام رواج ایسے شعرا کو بھی مجبور کرتا ہے کہ کسی واقعے کی تاریخ نکالیں ۔ ایسی حالت میں یا تو کوئی سقم رہ جاتا تھا یا تعمیہ و تخرجہ کا سہارا لینا پڑتا تھا ۔ غرضیکہ تاریخ گوئی اپنی جگہ ایک فن ہے ۔ یہ ایک ملکہ ہے جو فطری اور خداداد ہے ۔ یہ دینے والے کی دین ہے، خواہ کسی جاہل کو مل جائے اور کوئی عالم اس سے محروم رہ جائے ۔ تاہم ایسی تاریخ موزوں تر کہلائے گی جس سے صحیح اعداد بھی برآمد ہوتے ہوں اور فن شاعری کے اعتبار سے بھی قطعۂ تاریخ مستحسن اور قابل تعریف ہو۔ اس کی مثال ایک خوبصورت جسم اور ایک لطیف روح کی سی ہے ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ جسم بدہئیت ہو لیکن اس کے اندر جو روح ہے ، وہ لطیف و پاکیزہ ہو ۔ بعض تاریخیں الہامی کہلاتی ہیں اور انھیں پڑھ کر یا سن کر ایک وجد طاری ہو جاتا ہے اور انسان حیران رہ جاتا ہے ۔ ایسی مثالیں تو فارسی اور اردو شاعری میں بیش از شمار ہوں گی لیکن میراز دبیر کا یہ مصرع جو انھوں نے میر انیس کی وفات پر کہا ، زبان زد خواص و عوام ہے :

سال تاریخش بہ زر و بینہ شد زیب نظم
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

(۱۲۹۱)

☆ ☆ ☆

لغات تاریخ گوئی

ایک مشہور مقولہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۔ فنِ تاریخ گوئی کا ارتقا ہوا تو یہ محسوس کیا جانے لگا کہ اس قسم کے لغات مرتب کرنا ضروری ہیں جو شعرا کے لیے مادہ تاریخ درآمد کرنے میں ممد ثابت ہوں ۔ اگرچہ قادرالکلام تاریخ گو شعرا کے لیے خود اپنی کاوش سے تاریخ برآمد کرنا کوئی ایسی مشکل بات بھی نہیں ۔ بلکہ اکابرینِ فن اسی صورت میں اپنی کاوش پر نازاں ہو سکتے ہیں ۔ جب اعداد کی نشان دہی کرنے والے الفاظ خود ان کی تلاش و کاوش کا نتیجہ ہوں ۔ ایسی صورت میں کمالات فن دکھانے کا صحیح موقع ہاتھ آتا ہے اور فن کاری کے بہتر سے بہتر نمونے پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں طرح طرح کے رعایات برتے جا سکتے ہیں ۔ اس کے باوجود ہر اچھے شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ حساب دان بھی ہو اور فنِ ابجد پر بھی کامل دستگاہ رکھتا ہو ۔ ہم عدد الفاظ کے مجموعے اگر پیش نظر رہیں تو شاعر کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے کہ پورا زور اپنے موضوع کو بیان کرنے میں صرف کرے اور اپنے شاعرانہ کمالات کا اظہار کر کے دکھائے ۔ جہاں تک الفاظ و اعداد کی مطابقت کا مسئلہ ہے ، اس کے لیے وہ لغات کی مدد حاصل کر سکتا ہے ۔ اس طرح ہم عدد الفاظ کے لغات ایک عملی ضرورت کو پورا کرنے کے کام آتے ہیں ۔ علاوہ ازیں شاعروں کا ایک بڑا طبقہ تن آسان بھی ہوتا ہے ۔ اعداد کو باہم جوڑنا اور تفریق کرنا ایسے شعرا کے نزدیک ایک دماغی ورزش کے سوا اور کچھ نہیں ۔ چنانچہ آسانی کی خاطر لغات کی امداد سے وہ ہم عدد جملے یا لفظ حاصل کر لیتے ہیں اور انھیں قطعہ تاریخ میں خوب صورتی کے ساتھ نظم کر دیتے ہیں ۔ تاریخ گوئی میں جب تن آسانی کا دور آیا تو اس قسم کے لغات مرتب ہونے لگے ۔

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اساتذہ فن خود محنت کر کے اپنے ایجاد خاص کو کام میں لانا باعث فخر سمجھتے آئے ہیں ، لیکن شعرا بالعموم کسی سہارے کے بغیر تاریخ گوئی کی طرف بدرجہ مجبوری متوجہ ہوتے ہیں ۔ انھیں تو بنے بنائے مجموعۂ الفاظ

کی تلاش رہتی ہے ۔ علاوہ ازیں تاریخ گوئی کا شوق عام کرنے میں بھی اس قسم کے لغات کا بڑا حصہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد سالم الاعداد لغات مختلف اوقات میں مرتب ہوئے ۔ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ اس مقالے میں ہم اس قسم کے لغات کی کوئی مکمل فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ ہمارا مقصد صرف چند لغات کی طرف اشارہ کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ ان لغات میں کتنے عناصر مشترک ہیں اور کتنے ایک دوسرے سے مختلف ۔ایسے لغات اگرچہ ہمارے زمانے میں بھی لکھے گئے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں ، لیکن تاریخ گوئی کے موضوع سے ہمارے دور میں لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں رہی ۔ یہ وجہ ہے کہ جس کثرت سے یہ لغات لکھے جاتے تھے ، اب اس میں بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی ہے ۔ اب ایسی کتابیں شاذونادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں جو عددی مجموعوں پر مشتمل ہیں اور جو لوگ اب بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں ، وہ غالباً ایک علمی ضرورت کو پورا کرنے کی بجائے اپنے شوق کی آسودگی کی خاطر ایسی کتابیں مرتب کرتے ہیں ۔

لغات تاریخ گوئی کی مکمل فہرست بنانا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے ۔ یہ ایک تحقیقی کام ہو گا ۔ اس دور میں نہ ایسے لوگ باقی ہیں جو علوم قدیمہ کے شوقین تھے اور جن کے پاس ان کے ذاتی کتب خانے ہوا کرتے تھے ۔ نہ ایسے ادارے ہیں جن میں تاریخ گوئی سے متعلق مکمل کتابیں موجود ہوں ۔ یہاں تک کہ راقم الحروف کی نظر سے کوئی مکمل فہرست بھی ایسی نہیں گزری جو لغات تاریخ گوئی پر حاوی ہو اور یقین کے ساتھ پتا چل سکے کہ اب تک برصغیر پاک و ہند میں اس سلسلے کی اتنی کتابیں چھپی ہیں ۔ بہر حال یہ کام بھی کرنے کے لائق ہے ۔ چند کتابوں کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں ۔ ان کے علاوہ دوسری کتابوں کے متعلق دوسرے اصحاب کو تحقیق کرنا چاہیے کہ یہ معلومات آگے بڑھے ۔ زیر نظر کتابیں لغاتِ تاریخ گوئی کے سلسلے میں معروف و مشہور ہیں اور ان کا حوالہ دیا جاتا رہا

---

۱ ۔ فرحت تخلص شیخ حسین علی شاگرد میرزا نیاز علی بیگ نکہت (گلستان سخن ، صفحہ ۳۸۷ ، از مرزا قادر بخش صابر دہلوی ، طبع لکھنؤ ، سال اشاعت ماہ اپریل ۱۸۸۳ء ۔ ۱۲۹۹ھ ۔ سخن شعرا ، از نساخ ، طبع لکھنؤ ، صفحہ ۳۶۲) ۔

ہے ۔ آج ان کتابوں کا فراہم کرنا بھی آسان کام نہیں ۔ بڑی بڑی لائبریریوں میں ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کتابیں موجود ہوں ، لیکن یک جا طور پر یہ کتابیں نہیں پائی جاتیں ۔ ان لغات میں "ام التواریخ" کو قدیم ترین سمجھا جاتا رہا ہے ۔ اس کے مؤلف منشی حسین علی فرحت دہلوی (۱) تھے ، فرحت مرزا نیاز علی نکہت کے شاگرد تھے ۔ 'ام التواریخ' ۱۲۸۹ھ میں چھپ کر شائع ہوئی ۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۲۴ھ میں نکلا جس میں منشی حسین علی فرحت کے صاحب زادے محبوب علی جودت نے اضافے کیے ۔ چنانچہ دوسرے ایڈیشن کے مرتب محبوب علی جودت ہیں ۔ کتاب مطبع قاسمی میرٹھ میں طبع ہوئی ۔ یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے ۔ تمہید میں ان اضافوں کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ 'ام التواریخ' کے شائع ہونے پر بعض لوگوں نے اس میں سے الفاظ چن کر اپنے نام سے نئی کتابیں تالیف کر لیں ۔ چنانچہ مرتب نے طبع ثانی میں نئے نئے اعداد کے الفاظ مزید شامل کر دیے ۔ اس کتاب کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس جامع کتاب سے پہلے کوئی رسالہ اس فن میں مروج نہ تھا ۔ تقریظ سید احمد دہلوی (۲) مؤلف فرہنگ آصفیہ کی ہے ۔

(۱۲۸۲ھ میں ' کان تاریخ ' کے نام سے ایک ایسا ہی لغت منشی رام پرشاد شاہ آبادی نے مطبع الوری آگرہ سے شائع کیا ۔ اس کتاب کے مؤلف منشی رام پرشاد ظاہر (۳) شاگرد مرزا رحیم الدین ایجاد (۴) ہیں ۔ مؤلف کا یہ دعویٰ درست معلوم ہوتا ہے کہ :

---

۱ ۔ نکہت کے حالات گلستان سخن کے صفحہ ۳۶۴ ، ۳۶۵ میں ملاحظہ فرمائیے ۔

۲ ۔ مولوی سید احمد دہلوی ۸ جنوری ۱۸۴۶ء (مطابق ۱۲۶۲ھ) کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۹ء میں انتقال کیا ۔ (داستان تاریخ اردو ، صفحہ ۷۵۶ از حامد حسن قادری) ۔

۳ ۔ ظاہر تخلص رام پرشاد قوم کھتری شاگرد مرزا رحیم الدین ایجاد (گلستان سخن ، صفحہ ۴۴۴ و تذکرہ آثار الشعرائے ہنود ، صفحہ ۹۱) ۔

ظاہر کے آباؤ و اجداد ملازم سرکارِ شاہی رہے ۔ خود ۱۸۵۵ء میں اہلمد مقرر ہوئے ۔ پھر دہلی کے محکمہ کلکٹری میں عرصے تک سررشتہ دار اور ناظر رہے ۔ ۱۸۶۴ء کے آخر میں گوالیار گئے اور بعد حصولِ سند وکالت ۱۸۹۹ء تک وکالت کرتے رہے ۔ ۹ نومبر ۱۸۹۹ء کو مہاراجہ سندھیا والیِ گوالیار کی قدر دانی سے ضلع گرد گوالیار میں مجسٹریٹی کے عہدے پر ممتاز ہوئے ۔ میرزا قادر بخش صابر سے مشورۂ سخن کرتے

کانِ تاریخ جب چھپی ظاہر　　جس نے دیکھا اسے وہ شاد ہوا
قبل ازیں مشتہر زمانے میں　　فن تاریخ میں رسالہ نہ تھا
جیسے علم عروض کو پہلے　　عربی میں خلیل نے لکھا
تو بھی اس علم کا خلیل ہوا　　تو نے اردو میں اس کو جمع کیا
یہ کتاب ایسی تو نے لکھی ہے　　ہو گا عالم میں اس سے نام ترا
تھوڑے الفاظ میں لکھا سب کچھ　　بند کوزے میں کر دیا دریا
مبتدی جانتے نہ تھے یہ علم　　ان کو دشوار تھا عمل اس کا
تری تحریر اب سکھا دے گی　　سب کو اس فن میں ہونے کا دعوا
تو نے لکھا ہے اس کو محنت سے　　کیا جاری یہ فیض کا چشما
یہ پسند دلِ خلائق ہو　　یہ ہو مقبولِ بارگاہِ خدا
(کانِ تاریخ ، صفحہ ۱۵۷)

تاریخی اعتبار سے یہ دعویٰ درست معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ کانِ تاریخ ۱۲۸۲ھ کی تصنیف ہے (جیسا کہ کانِ تاریخ کے اعداد سے ظاہر ہے) ، البتہ یہ کتاب ۱۲۹۴ھ میں شائع ہوئی ۔

تھے اور ان کے برگزیدہ تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ صاحبِ دیوانِ ریختہ اور فنِ تاریخ گوئی میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے ۔ 'کانِ تاریخ' ان کی تالیف میں سے ہے ۔
(خم خانۂ جاوید ، جلد پنجم ، صفحہ ۳۵۷)

۲ ۔ ایجاد شاہزادہ مرزا رحیم الدین گورگانی تلمیذ رشید صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر ۔ صاحبِ تذکرہ گلستانِ سخن ، مرزا حسین بخش کے بیٹے تھے ۔ غدر کے زمانے میں ۳۵۔۳۶ برس کے سن میں پھانسی پائی ۔
(خم خانۂ جاوید از لالہ سری رام ، جلد اول ، صفحہ ۵۲۲ ۔ گلستان سخن ۱۲۷) ۔
صابر : صاحبِ عالم میرزا محمد قادر بخش گورگانی دہلوی ۔ آپ کی ولادت ۱۲۲۳ھ میں لال قلعہ میں ہوئی ۔ ۱۲۹۹ھ میں بمقام بنارس انتقال کیا ۔ دیوان 'ریاض صابر' کے نام سے موجود ہے ۔ گلستان سخن ایک تذکرۂ شعرا بھی آپ کی یادگار ہے ۔ تلامذہ میں ارشد گورگانی ، سحر ، شاکر ، عاقل وغیرہ مشہور ہیں
(خم خانۂ جاوید ، جلد پنجم ، صفحہ ۲۲۷) ۔

۱ ۔ شائق ۔ حافظ الٰہی بخش خلف شیخ محمد حاجی باشندۂ کان پور ، سید وارث علی سیفی کے تلامذہ میں گزرے ہیں ۔ مشاق اور پر گو تھے ۔ ان کا دیوان ۱۲۹۵ھ میں مطبع نظامی سے شائع ہوا جس کا نام گلزار منظوم ہے ۔ (خم خانۂ جاوید ، از لالہ سری رام ، جلد چہارم ، صفحہ ۳۵۲) ۔

مطبع نظامی کان پور سے آئینۂ تواریخ جو ۱۲۹۳ھ میں تصنیف ہوئی تھی، اس کے مصنف الٰہی بخش شائق (۱) کان پوری ہیں جو سید وارث علی سیفی کے شاگرد تھے۔ دیباچہ، مصنف نے فارسی میں لکھا ہے جس میں کتاب کو مساوی الاعداد قرار دیا گیا ہے۔

۱۲۹۷ھ میں نولکشور لکھنؤ سے مولوی محمد سعید بن مولوی محمد رحیم ہمت خانی نے تاریخ گوئی کا دستورالعمل 'گلشن خیال' کے نام سے شائع کیا۔ مصنف کا دیباچہ نہایت عالمانہ ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مصنف کو رمل، جوتش وغیرہ سے آگاہی تھی۔

۱۳۱۳ھ میں فنِ تاریخ گوئی سے متعلق دو لغات لکھے گئے۔ یہ دونوں کتابیں حیدرآباد (دکن) سے نکلیں اور مطبع فخر نظامی حیدرآباد (دکن) میں طبع ہوئیں۔ پہلی کتاب 'گلبنِ تاریخ' ہے جو حکیم میر مہدی حسین الم (۲) رضوی کی تالیف ہے۔ الم رضوی فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ لغات تاریخ گوئی میں گلبنِ تاریخ سب سے ضخیم کتاب ہے۔ آخر میں جو قطعات تاریخ درج ہیں ان میں سے

۱۔ مولوی محمد سعید بن مولوی محمد رحیم ہمت خانی بڑے پائے کے عالم تھے۔ ان کا یہ رسالہ مخطوطے کی شکل میں مولوی ابو حسن صاحب تحصیل دار کے پاس محفوظ تھا جسے منشی نولکشور نے حاصل کر کے اکتوبر ۱۸۸۰ء مطابق ماہ ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں لکھنؤ سے شائع کیا۔ اس رسالے میں ماہیتِ تاریخ و تواریخ سنین حضرت آدم علیہ السلام سے رحلت خاتم المرسلینؐ تک بڑی محنت و کاوش سے ہدیۂ ناظرین کیے گئے ہیں (گلشن خیال، صفحہ ۲۲۸)۔

۲۔ میر مہدی حسین الم اور علم تخلص کرتے ہیں۔ میر جعفر علی صاحب کے بیٹے ہیں۔ آپ کے نانا میر محمد حسین خان میر جملہ کے بھتیجے تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۰۵ھ میں استاد داغ کے شاگرد ہوئے۔ ڈاکٹر ہیں اور سول سرجن رہ کر وظیفہ لے چکے ہیں، صاحب دیوان شاعر ہیں۔ (سخن ورانِ دکن، از سید تسکین عابدی، صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، طبع حیدر آباد دکن)۔

الم: حکیم مہدی حسین رضوی متخلص بہ الم و علم، ڈاکٹر قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن خلف میر جعفر علی مرحوم جو میر حشمت علی خان مرحوم عزیز نواب محترم الدولہ مغفور عرض بیگی کے بیٹے تھے۔ ان کا سال ولادت ۱۲۸۳ھ ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے زمانۂ حیات تک مسلسل ان کو اپنا کلام دکھاتے رہے۔ فارسی میں آپ کو آقا سید علی شوستری طوطی سے فیض تلمذ حاصل تھا۔ علاوہ دیوان، گلبنِ تاریخ، رسالہ معاشرت اور رسالہ ہادی آپ کی تالیف سے ہیں۔ اب اکثر مرثیہ گوئی کا اتفاق ہوتا ہے۔ (خم خانۂ جاوید، جلد اول، صفحہ ۲۹۸)۔

ایک قطعہ مرزا داغ کا بھی ہے جو یوں شروع ہوتا ہے :

کس درجہ الم نے کی ہے محنت
مجموعۂ انتخاب دیکھو

اور آخر میں تاریخ نکالی ہے :

اتمام کا سن یہ لکھ دو اے داغ
تاریخ ہے لاجواب دیکھو۔ ۱۳۱۴ھ

دوسری کتاب جو فخر نظامی پریس حیدرآباد دکن میں شائع ہوئی ، وہ حکیم نادر علی رعد (۱) کی تصنیف ہے جس کا نام 'گنجینہ تواریخ' ہے تاریخی نام مرآت الخیال (۱۳۱۳) ہے ۔ مصنف کے مبسوط حالات دریافت نہ ہو سکے ۔ راقم الحروف نے مصنف کے صاحبزادے سے جو حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں ، درخواست کی تھی کہ اپنے والد کے حالات ارسال کریں اور بہ کمال محبت انھوں نے وعدہ بھی فرمایا لیکن بعد میں خاموشی اختیار کر لی ۔ گنجینہ تواریخ کا دیباچہ مختصر ہے ۔ کتاب کے آخر میں 'تکملہ نظایر اقسام تاریخ' کے عنوان سے بہت سے تاریخیں مختلف مورخین کی دی ہوئی ہیں جو بہت مفید ہیں ۔ کتاب کے آخری صفحے پر دوامی جنتری بھی دی

---

۱ ۔ میر نادر علی رعد ، مولوی نوازش علی صاحب لمعہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت کاظم علی شعلہ کے فرزند ہیں ۔ نہایت خوش فکر شاعر اور طبیب یونانی ہیں ۔ دیوان رعد "ایمان سخن" کے نام سے کئی ایک مجموعے شائع ہو چکے ہیں ۔
(سخن وران دکن ، صفحہ ۲۰۲) ۔

رعد : حکیم میر نادر علی رعد مقیم حیدرآباد (دکن) ، نبیرۂ حضرت شہید دہلوی مرحوم ۔ شاہ نصیر کا دیوان انھوں نے چھپوا دیا ہے اور فن تاریخ گوئی میں کتاب "گنجینۂ خیال" خوب لکھی ہے ۔
غم خانۂ جاوید ، جلد سوم ، صفحہ ۲۷۰)

کتاب کا نام گنجینۂ خیال نہیں ، جیسا کہ صاحب غم خانۂ جاوید نے لکھا ، بلکہ اس کا نام "گنجینۂ تواریخ" ہے اور تاریخی نام مرآت الخیال ۔
(کسری)

۲ ۔ تسلیم : منشی انور حسین تسلیم سہسوانی خلف منشی احتشام الدین ، شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد رشید تھے ۔ آپ فن سخن میں مشاہیر سے تھے ۔ تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ ان کی مثال کم نظر آتی ہے ۔ چناں چہ انواع و اقسام کی صنائع و بدائع سے آپ کی تاریخیں مملو ہوتی تھیں ۔ ان کی تصانیف

ہوئی ہے ۔ اس نقشے کی مدد سے جس سال کے جس ماہ کا غرہ مطلوب ہو ۔ بتائے ہوئے اشارے سے معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

۱۳۲۰ھ میں مشہور شاعر و تاریخ گو منشی انور حسین تسلیم (۲) سہسوانی کی لغت 'عدد التاریخ' معروف بہ "زنبیل تاریخ" لکھی گئی جو مطبع 'اخبار نیر اعظم' مراد آباد میں طبع ہوئی ۔

تاریخی ترتیب کے لحاظ سے زیر نظر مجموعے جس طرح مرتب ہوئے ہیں ، ان کی صورت یہ ہے :

۱ ۔ کانِ تاریخ : ۱۲۸۲ھ — ۱۲۸۹ھ

۲ ۔ ام التواریخ : ۱۲۹۵ ھ

میں سے زنبیل تاریخ ، مثنوی سعدین ، ملخص تسلیم چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ۔ ان کے پختہ مشق اور مشاق سخن ور ہونے میں کسی کو کلام نہیں ۔ تاج المدائح فن صنائع و بدائع میں فارسی زبان میں مدح نواب کلب علی خان والئ رامپور میں اور مثنوی تاج الکلام مدح نواب شاہجہاں بیگم والئ بھوپال میں لکھی ہیں ۔ ۲۱ رجب ۱۲۳۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۲ شوال ۱۳۰۹ھ روز دو شنبہ وفات پائی ۔ خورشید علی ان کا تاریخی نام ہے ۔ (خم خانۂ جاوید ، جلد دوم ، صفحہ ۷۰ ۔ ۷۱) ۔

آپ کی ولادت ۲۱ رجب ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء کو اپنے آبائی وطن ہی میں ہوئی ۔ حضرت تسلیم نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی ۔ بعدہ مختلف اساتذہ سے فارسی و اردو ادب نیز دیگر علوم مروجہ کی تکمیل کی ۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کے عم حقیقی منشی قیام الدین مرحوم کوتوال شہر مراد آباد کی صاحب زادی سے آپ کا عقد ہوا ۔ چنانچہ آپ مراد آباد چلے گئے اور عدالت دیوانی میں امین کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۔ ۱۸۵۸ء میں آپ کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ۔ ۱۸۶۲ء یا اوائل ۱۸۶۳ء میں لکھنؤ پہنچے اور 'اودھ اخبار' سے متعلق ہو گئے ۔ دراصل یہی ملازمت ادبی دنیا میں آپ کی شہرت کا باعث بنی

"طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس ۔"

پر ان کے اعتراضات و استفسارات 'ملخص تسلیم' میں موجود ہیں ۔ تصانیف کے متعلق انھوں نے اپنی ایک عرضی موسومہ 'نواب کلب علی خان بہادر' میں خود تحریر فرمایا ہے : "اس مداح خرد دشمن نے لکھنؤ میں ۲۵ اگست ۱۸۷۵ء کو چار سو باسٹھ جز نظم و نثر اردو فارسی اپنی تصنیف و تالیف کی جلا دی ۔ بار دیگر یکم ستمبر ۱۸۸۲ء کو بمقام مراد آباد دو بستے پھونک دیے ۔" (رسالہ 'آج کل' دہلی نومبر ۱۹۵۸ء) ۔ یاد رفتگان کے عنوان سے جناب حنیف نقوی سہسوانی نے ایک مبسوط مضمون رسالہ آج کل نومبر ۱۹۵۸ء میں تحریر کیا ہے جس کا اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے ۔

۳ ۔ آئینہ تواریخ : ۱۲۹۳ھ

۴ ۔ گلشن خیال : ۱۲۹۷ھ

۵ ۔ گنجینہ تواریخ : ۱۳۱۲ھ

۶ ۔ گلبنِ تاریخ : ۱۳۱۳ھ

۷ ۔ عدد التاریخ : ۱۳۲۰ھ

علم و فن کی دنیا میں چراغ سے چراغ جلتا چلا آیا ہے ۔ اصل کام تو ان کا ہوتا ہے جو کوئی نیا تصور پیش کرتے ہیں لیکن فائدہ اٹھاتے ہیں وہ ذہین و طباع اہل فکر و نظر جو اسی بنیاد پر نئی نئی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں ۔ اسی طرح ارتقاے فن عمل میں آتا ہے ۔ یہی صورت مساوی الاعداد الفاظ کو یک جا کرنے کی ہے ۔ عملی ضروریات کے پیش نظر کسی جوہر قابل نے ایک لغت اس قسم کا مرتب کر دیا ، اسے دیکھ کر اس کے ہم عصروں اور آنے والوں نے اس قبیل کے دوسرے مجموعے مرتب کیے ۔ کہیں کچھ اضافہ کر دیا ، کہیں کوئی ترمیم کر دی ، بعض حالات میں الفاظ کو جوں کا توں قائم رکھا ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترتیب کتاب میں مرتب کے سامنے تعداد صفحات کا مسئلہ ہوتا ہے اور وہ کوئی ایسا منصوبہ پیش نظر رکھتا ہے کہ کتاب کی ضخامت کتنی ہونی چاہیئے ۔ اگر صفحات ناکافی ہیں تو لغت بھی کم ضخیم ہو گا ، بصورت دیگر وہ یہ کوشش کرے گا کہ نئے نئے مجموعہ ہائے الفاظ کو ترتیب دے اور ایک جامع لغت کی تالیف کرے ۔ اس نقطۂ نظر سے ہم ایک جائزہ پیش کرتے ہیں کہ زیر نظر مجموعوں میں مساوی الاعداد الفاظ کی کیا صورت ہے :

کتاب کا نام	مجموعۂ الفاظ مساوی الاعداد
۱ ۔ کانِ تاریخ	۱۳۳۶
۲ ۔ آئینہ تواریخ	۱۴۰۱ (سات غیر مسلسل تاریخیں مزید شامل ہیں)
۳ ۔ گنجینہ تواریخ	۱۹۰۰
۴ ۔ گلشن خیال	۱۹۵۴

۵ ۔ اُم التواریخ ۲۰۰۰
۶ ۔ گلبنِ تاریخ ۲۰۰۰
۷ ۔ عدد التاریخ ۲۰۲۰

گویا یہ مجموعے ۱۳۳۱ تا ۲۰۲۰ ہیں ۔ عملی ضرورت کے لحاظ سے ان لغات سے مجموعۂ الفاظ لے کر انہیں کام میں لایا جا سکتا ہے ۔ لیکن بعض صورتوں میں کسی عدد کے مساوی تعداد الفاظ ناکافی ہیں اور موقع محل کے اعتبار سے ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نظر نہیں آتا ۔ مثال کے طور پر آئینہ تواریخ میں ۱۲۸۳ کے لیے یہ تین الفاظ دیے ہوئے ہیں: "نکاح دختر ۔ غلام پیر ۔ غبار کیں" ۔ ۱۲۷۴ کے تحت "کبوتر خانہ ۔ چراغ کہنہ ۔ خون کبوتر" ۔ ۱۳۸۵ کے تحت "عاقبت بخیر ۔ سیمرغ ۔ کہن ۔ حذرالموت" ۔ ۱۳۹۹ کے تحت "باغ شادماں ۔ ظلمت کدہ ۔ جمشید مرتبت ۔ از شہر بدر رفت" ۔ ۱۴۰۱ کے تحت "رفعت خان ۔ علی اصغر ۔ انتظام داد" ۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ 'آئینہ تواریخ' ایک مشہور لغت ہے لیکن مجموعۂ الفاظ کا یہ عالم ہے کہ چند مخصوص مواقع کے علاوہ ان کا استعمال ممکن نہیں معلوم ہوتا ، جیسا کہ مندرجہ بالا مجموعۂ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ ٹکڑے کے ٹکڑے فارسی ساخت کے ہیں ۔ اگر قطعۂ تاریخ اردو میں کہنا مقصود ہو تو یہ ٹکڑے کارآمد نہیں رہتے ۔

کان تاریخ میں معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ ہر عدد کے مساوی بہت سے مجموعۂ الفاظ دیے گئے ہیں جن میں سے بعض خالص ہندی الفاظ کے مجموعے ہیں اور بعض ترکیبیں ایسی ہیں جو فارسی اور اردو دونوں قطعہ ہائے تاریخ میں کام میں لائی جا سکتی ہیں ۔ بعض ٹکڑے فارسی کے ہیں ۔ مجموعۂ الفاظ میں یہ رعایت موجود ہے کہ وہ مختلف مواقع پر کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً ۱۳۱۵ کے تحت "غرق ہے ۔ اب غرق ہوا ۔ صبر و شکیب رفتہ ۔ فاضل و عاقل دانا ۔ عطا کن عمر صد سالہ خداوند ۔ زہے عمر و حشمت زہے سن و سال ۔ نصرت دین و دولت دنیا" ۔ ۱۳۱۶ کے تحت "اوٹھا دل سے صبر و قرار ۔ مجموعہ الفت و مروت ۔ توقیر عصمت ۔ مسجد

پاک عمدہ و ذیشان ۔ باعث راحت دل و جانم ۔ ہمایوں طالع بخت بلند ۔ زہے رفعت و دولت و عزو جاہ ۔"

اُم التواریخ اس لحاظ سے نہایت مفید ہے کہ بچوں کے تاریخی نام بکثرت جمع کر دیے گئے ہیں ۔ مثلاً ۱۳۸۲ کے تحت "محمد ظفر علی ۔ مشفق یار خان ۔ قناعت علی خان ۔ شریف عالم خان ۔ خواجہ علوی خان ۔ تراب حسین خان ۔ خوشنود علی شاہ ۔ تفضل بیگم ۔ خوش تاج بیگم ۔ مذکور علی شاہ ۔" ۱۳۸۷ کے تحت "مرزا اظہار بیگ ۔ سید راغب علی ۔ خلیل اللہ خان ۔ مرزا وراثت بیگ ۔ زیارت حسن خان ۔ مرغوب الحق ۔ معتمد النسا خانم ۔ تواضع علی ۔ پرتو حسین خان ۔"

گلشن خیال میں فارسی و عربی تراکیب اور فارسی عربی ٹکڑے جمع کر دیے گئے ہیں ۔ اردو کے ساتھ بالکل بے تعلقی برتی گئی ہے ۔ ۱۳۸۰ کے تحت "ماعرفناک حق معرفتک ۔ سری. فضل ۔ مفخر موجدات ۔ شفف" ۔ ۱۳۸۷ کے تحت "اللّٰھم اغفر ۔ بآخر رسید عمر ۔ مغفوریاں ۔ غالب شدن ذوالاحترام ۔ خویش ستاہی ۔"

گنجینۂ تواریخ میں بعض اعداد کے تحت بہت زیادہ مجموعۂ الفاظ دیے گئے ہیں اور بعض کے تحت گنتی کے چند ۔ ۱۰۰۰ کے عدد تک پہنچتے پہنچتے مجموعۂ الفاظ کی تعداد بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے ۔ ۱۳۰۰ سے آگے یہ تعداد ناکافی محسوس ہونے لگتی ہے ۔ بجز ۱۳۱۲ کے جو اس کتاب کا سال تالیف ہے ۔ اس کتاب میں بھی فارسی کے ٹکڑے اور فارسی تراکیب ہیں ۔ الاماشا اللہ عربی کے ٹکڑے مل جاتے ہیں لیکن اردو کی طرف توجہ نہیں کی گئی ۔ ۱۳۸۳ کے تحت دو مجموعہ ہائے الفاظ ہیں : "شہوت پرستی ۔ صاحب افتخار" ۔ ۱۳۸۴ کے تحت فقط ایک مجموعہ ہے "افضل دین" ۔ ۱۳۸۵ کے تحت "عاقبت بخیر ۔ حذرالموت" ۔ ۱۳۸۶ کے تحت "الم یخلق مثلہا ۔" ۱۳۸۷ "اللّٰھم اغفر ۔ فروغ نمائے" ۔ ۱۳۸۸ کے تحت "اخواص خاص" ۔ حالانکہ عملی ضرورت کے لحاظ سے چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی سے متعلق مجموعۂ الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے اور انھی کی خاطر تاریخ گو شعرا اس قسم کے لغات کا سہارا تلاش کرتے ہیں ۔

گلبن تاریخ ایک جامع لغت ہے جس میں بکثرت ٹکڑے اور ترکیبیں جمع کر

دی گئی ہیں ۔ تاہم یہ لحاظ نہیں رکھا گیا کہ تاریخ گوئی میں کس حد تک کارآمد ہیں ، بلکہ اکثر اوقات محسوس ہوتا ہے کہ جن ٹکڑوں سے تاریخ برآمد کی گئی ہے ، وہ مفید مطلب نہیں ۔ ۱۳۸۷ کے تحت "یا غفور ملک ۔ غفار نہاں ۔ غیر واقع ۔ قوت رفتار ۔ بے مشغلہ ۔ احباب شہوت پرست ۔ زوجہ خوش نیت ۔ فروغ نمائے ۔ اللھم اغفر ۔ شغال بند ۔ شغل زن ۔ ابنہ مرغوب طبع ۔ بندہ فراغ ہمت ۔ تذکرہ نبی ۔ بلبل زشت خوے ۔ زبِ فضیلت ۔ بآخر رسید عمر ۔ مغفوریاں ۔ غالب شدن ذوالاحترام ۔ خویش سای " ۔ ۱۹۶۷ کے تحت "ستار تاج بخش ۔ یا غفور نخی ۔ خدیو خوش قماش ۔ ساغر تصویر ۔ مختار روشن قلم " اور اس قبیل کے ٹکڑے زیادہ تر ہیں ، کام کی ترکیبیں کم ہیں ۔

عدد التاریخ ایک مفید لغت ہے ۔ ترکیبوں اور ٹکڑوں کے علاوہ تاریخی نام بھی بکثرت جمع کر دیئے گئے ہیں ۔ ۱۳۸۷ کے تحت "سید راغب علی ۔ خواجہ سبحان خان ۔ خلیل اللہ خان ۔ خواجہ الطاف خان ۔ زیارت حسن خان ۔ تحقیق حسن خان ۔ تصور خانم ۔ معتمد النسا خانم ۔ مرغوب الحق" ۱۹۶۷ کے تحت تاریخی نام نہیں ہیں ، البتہ روے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد ۔ و انک لعلیٰ خلق عظیم ۔" البتہ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ تسلیم سہسوانی نے پیش رو لغت نگاروں کے کام سے پورا فائدہ اٹھایا ہے ۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ تاریخ گوئی کے لیے محض مجموعۂ الفاظ سے تاریخ برآمد کر دینا ہی کافی نہیں ۔ مجموعۂ الفاظ اس قسم کے ہونے چاہیئں کہ موقع اور محل پر پورے اتریں ۔ جن مؤلفین لغات نے فارسی عربی ترکیبیں اور ٹکڑے بکثرت جمع کیے ہیں اور اردو کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ۔ انہوں نے بھی ایک مفید کام انجام دیا ہے ، اس لحاظ سے کہ تاریخ گوئی کا ایک طریقہ پچھلی نسل کے شعرا تک یہ رہا ہے کہ اگر پورا قطعہ فارسی کا نہ ہو بلکہ اردو کا ہو تب بھی مصرع تاریخ عموماً فارسی میں ہوتا تھا اور اگر پورا مصرع تاریخ بھی فارسی میں نہ ہو تو مادۂ تاریخ فارسی یا عربی کا ہونا شعرا کی ایک عام روش رہی ہے ۔ البتہ ہمارے زمانے میں فارسی عربی کی علمیت معدوم ہوتی جا رہی ہے اور تاریخ گو شاعر کے لیے یہ مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ہے کہ تاریخ برآمد کی جائے تو وہ اردو میں ہو یا بغایت سادہ فارسی میں ، تاکہ

وہ عام فہم ہو سکے ۔

اب مادہ تاریخ برآمد کرنے کے سلسلے میں ان مؤلفین لغات کی کوششوں کی ایک مثال دی جاتی ہے جس سے ظاہر ہو سکے گا کہ کس حد تک ایک مؤلف نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے اور بنے بنائے مادہ ہائے تاریخ کو نقل کر دیا ہے ۔ اور کسی حد تک خود اپنی کاوش سے نئی نئی ترکیبیں اور ٹکڑے وضع کر کے تاریخ نکالی ہے ۔ ہم ایک تاریخی عدد (۱۳۰۰) لیتے ہیں اور مختلف لغات سے مجموعۂ الفاظ نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی :

۱ ۔ کانِ تاریخ :

تسخر ۔ غرق ۔ خشت ۔ صغیر ۔ ترخیص ۔ تلخیٔ مرگ ۔ تظمین ۔ مودت خمیر ۔ محبت خمیر ۔ زمام اختیار ۔ غش ۔ غلام مصطفیٰ ۔ تقرر منشی ۔ مثل کشتی ۔ صفت کشتی ۔ صاحب عزت و توقیر ۔ بدخو ستیزہ رو ۔ بوستان نادر زینت بند ۔ ورثہ بمقدار رسید ۔ پہلوان نیکو خصلت ۔ رخصتی ۔ بیادا بصد حشمت و دولت ۔ بدہ رفعت و عزت دائما ۔ قریب عزت و حشمت بیادا ۔ نصرت و فتح بیادا دائما ۔ نصرت و علم و ہنر افزوں بیاد ۔ بلند ہمت بنصرت بے بہا باد ۔ زہے حشمت زہے عزت زہے جاہ ۔ گرامی قدر ذیجاہ ۔ شادی نور چشم نور عین ۔ زہے بخت نادر بیادا بجاہ ۔ زہے فخر و حشم و زہے جاہ باد ۔ بصد اوج و بصد زیب و غنی باد ۔ شوکت دولت اقبال ۔ شکل فردوسی مسجد تحفہ ۔ بہتر و زیبا قصر کرد بنا ۔ ہوا ہے خلعت نیکی عطا اب ۔ ز دنیا صاحب دولت برفتہ ۔

مجموعۂ الفاظ اڑتیس (۳۸) ۔

ام التواریخ :

واحد غفار ۔ غفور وہاب ۔ غرق ۔ صغیر ۔ خشت ۔ تسخر ۔ غش ۔ ترخیص ۔ تصمین ۔ رخصتی ۔ صغریٰ ۔ مخمل ۔ خرمست ۔ باغ بصرہ ۔ بے خواست گار ۔ خط خاص ۔ سخت گیری ۔ محب دماغ دار ۔ نواب مختار ۔ مرغ

جوان ۔ گدائے خدا ترس ۔ تلخیٔ مرگ ۔ مؤدت خمیر ۔ محبت خمیر ۔ صفت کشتی ۔ صاحب عزت و توقیر ۔ غیر ملک ۔ غریب بے گناہ ۔ نیزۂ غم ۔ اپنی خوشی نکرنا۔ جاؤ رخصت ۔ منظر علی ۔ غلام مصطفیٰ ۔ تقرر منشی ۔ عشرت الرحمان ۔ گروگڑ ہی رہے چیلے شکر ہو گئے ۔ محمد ولایت علی خان ۔ تفکر عصمت ۔

مجموعۂ الفاظ اڑتیس (۳۸) ۔ تیرہ (۱۳) الفاظ انہوں نے کانِ تاریخ سے لیے اور پچیس (۲۵) الفاظ کا اضافہ کیا ۔

۳ ۔ آئینۂ تواریخ :

صغیر ۔ غرق ۔ خط خاص ۔ صغریٰ ۔ مخمل ۔ باغ بصرہ ۔ تمسخر ۔ غش ۔ تضمین ۔ خشت ۔

مجموعۂ الفاظ دس (۱۰) ۔ نو (۹) الفاظ کانِ تاریخ سے اور ایک ام التواریخ سے ، اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا ۔

۴ ۔ گلشن خیال :

تضمین ۔ صغیر ۔ غرق ۔ نخش ۔ خط خاص ۔ خشت ۔ تمسخر ۔ غش ۔ رخصتی ۔ سلفری ۔ صغریٰ ۔ مخمل ۔ باغ بصرہ ۔

مجموعۂ الفاظ تیرہ (۱۳) ۔ کانِ تاریخ سے سات اور ام التواریخ سے چار الفاظ لیے ، اپنی طرف سے دو الفاظ کا اضافہ کیا ۔

۵ ۔ گنجینۂ تواریخ :

غرق ۔ صغیر ۔ غش ۔ خشت ۔ تضمین ۔ نواب مختار ۔ میر معظم ۔

مجموعۂ الفاظ سات (۷) ۔ کانِ تاریخ سے پانچ اور ایک ام التواریخ سے ، اپنی طرف سے ایک لفظ کا اضافہ کیا ۔

۶ ۔ گلبنِ تاریخ :

غرق ۔ صغیر ۔ خشت ۔ تضمین ۔ نواب مختار ۔ میر معظم ۔ نخش ۔ خط

خاص ۔ تمسخر ۔ غش ۔ رخصتی ۔ سلفری ۔ صغریٰ ۔ مخملل ۔ باغ بصرہ ۔ ترخیص ۔ تلخیٔ مرگ ۔ مؤدت خمیر ۔ محبت خمیر ۔ زمام اختیار ۔ غلام مصطفیٰ ۔ تقرر منشی ۔ مثل کشتی ۔ صفت کشتی ۔ صاحب عزت و توقیر ۔ بدخو ستیزہ رو ۔ بوستان نادر زینت بند ۔ ورثہ بحقدار رسید ۔ پہلوان نیکو خصلت ۔ بیادا بصد حشمت و دولت ۔ بدہ رفعت و عزت دانا ۔ فریب عزت و حشمت بیادا ۔ نصرت و فتح بیادا ۔ نصرت و علم و ہنر افزوں بیاد ۔ بلند ہمت بنصرت بے بہا باد ۔ زہے حشمت زہے عزت زہے جاہ ۔ زہے فخر و حشم و زہے جاہ باد ۔ بصد اوج و بصد زیب و غنی باد ۔ شوکت دولت اقبال ۔ شکل فردوسی مسجد تحفہ ۔ بہتر و زیبا قمر کرد بنا ۔ ہوا ہے خلعت نیکی عطا اب ۔ بلوغ پسر ۔ واحد غفار ۔ غفور وہاب ۔ خرمست ۔ دیو شیریں سخن ۔ سخت گیری ۔ بے خواست گار گدائے خدا ترس ۔ محب دماغ دار ۔ مرغ جواں ۔ داخل الخلد ۔ خالد الخلد ۔ پسر سکندر قدرت ۔

مجموعۂ الفاظ اٹھاون (۵۸) ۔ کانِ تاریخ سے سینتیس (۳۷) ، ام التواریخ سے چودہ (۱۴) اور گلشنِ خیال سے دو الفاظ لیے ۔ اپنی طرف سے پانچ الفاظ کا اضافہ کیا ۔

۷ ۔ عدد تاریخ :

غرق ۔ تمسخر ۔ مرزا اعظم بیگ ۔ صغیر ۔ صغریٰ ۔ غش ۔ مخملل ۔ خشت ۔ تضمین ۔ ترخیص ۔ رخصتی ۔ باغ بصرہ ۔ تلخیٔ مرگ ۔ مودت خمیر ۔ منظر علی ۔ عشرت الرحمان ۔ محمد ولایت علی خان ۔ غلام مصطفیٰ ۔ محبت خمیر ۔ زمام اختیار ۔ تقرر منشی ۔ صفت کشتی ۔ صاحب عزت و توقیر ۔ بدخو ستیزہ رو ۔ بوستان نادر زینت بند ۔ ورثہ بحقدار رسید ۔ پہلوان نیک و خصلت ۔ نصرت و فتح بیادا دانا ۔ گرامی قدر ذی جاہ ۔ نصرت و علم و ہنر افزوں بیاد ۔ شادی نور چشم نور عین ۔ شوکت دولت اقبال ۔ بہتر و زیبا قصر کرد بنا ۔ ز دنیا صاحب دولت برفتہ ۔

مجموعۂ الفاظ چونتیس (۳۴) ۔ کانِ تاریخ سے ستائیس (۲۷) اور ام التواریخ

سے چھ (٦) الفاظ لیے گئے ہیں ۔ اپنی طرف سے ایک لفظ کا اضافہ کیا ۔

مندرجہ بالا مادہ ہائے تاریخ سے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ بیشتر دوسروں کی کاوشوں سے آنے والے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں ۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ کثیر تعداد میں ایسے مادہ ہائے تاریخ پیش کیے گئے ہیں جو ان مِل بے جوڑ الفاظ پر مشتمل ہیں ۔ ایک دماغی ورزش کے علاوہ ان سے کوئی خوبی مترشح نہیں ہوتی ، نہ ان سے کسی طور پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جب مادہ تاریخ مستعمل بحروں میں صرف نہیں کیا جا سکتا لہٰذا قطعہ تاریخ میں اس کا باندھنا محال ہے ۔ تاہم جہاں تک طباعی کا تعلق ہے ، ہر مادہ تاریخ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک صاحبِ فکر کی تلاش کا نتیجہ ہے ۔ خواہ اس کی افادیت کچھ ہو نہ ہو ۔ ایک کثیر تعداد میں ایسے مادہ ہائے تاریخ بھی برآمد کیے گئے ہیں جو مختلف موقع اور محل پر پورے اترے ہیں اور تاریخی قطعات میں صرف کیے جا سکتے ہیں ۔

لغت نگاروں نے ایک قابل قدر خدمت یہ انجام دی ہے کہ فنِ تاریخ گوئی پر اپنے خیالات و نظریات کا اظہار بھی کر دیا ہے ۔ مبتدی کے لیے فنِ تاریخ گوئی پر عبور حاصل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور اہل نظر کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مؤلف لغت کن اصولوں پر عمل پیرا ہیں ۔ بلا شبہ یہ مؤلفین لغات صاحبِ فن تھے ۔ باتوں باتوں میں انہوں نے اس فنِ شریف کے نکات کھولے ہیں اور نئی نئی صنعتیں بھی ایجاد کی ہیں لیکن اسے سو اتفاق کہیے کہ مؤلفین اپنے مقدمے میں جو اصول وضع کرتے ہیں ، انہی کی تردید بعض اوقات اپنے مادہ ہائے تاریخ سے کر دیتے ہیں ۔ دعویٰ تو یہ ہوتا ہے کہ فلاں حرف کے اتنے عدد لینے چاہیں اور عمل بعض حالات میں دعوے سے مختلف ہوتا ہے (۱)

---

۱ ۔ مکانِ تاریخ' میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ "نکوئی و گدائی و بادشاہی ' آئین تزئین وغیرہ کے ہمزے کو یائے تحتانی قرار دے کر دس عدد لیتے ہیں ، یعنی ایسے کلمات میں دو یا ایک یائے اصلی و دیگر ہمزہ کو بشکل یا قرار دے کر دو یا کے دس عدد لیتے ہیں" (مکانِ تاریخ صفحہ ٦) ۔ لیکن اس اصول کی پیروی نہیں کی گئی بلکہ 'داناتی' کے ٦٦ عدد لیے ہیں حالانکہ اس کے عدد ٦٧ ہوتے ہیں ۔
(مکانِ تاریخ ، صفحہ ٣٣) ۔

گلبنِ تاریخ کا دیباچہ :

میر مہدی حسن الم حیدر آبادی مصنف "گلبنِ تاریخ"، فصیح الملک داغ دہلوی کے شاگرد تھے ۔ چنانچہ داغ ہی کی تحریک پر الم نے "گلبنِ تاریخ" مرتب کی اور دوران تصنیف میں وہ داغ سے مشورہ لیتے رہے اور استفادہ کرتے رہے ۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی حیثیت تاریخی ہے ۔ کتاب کا دیباچہ چھبیس (۲۶) صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور خاصا مبسوط ہے ۔ دیباچے کے آخر میں وہ رقم طراز ہیں :

"جو کچھ قواعد و ضوابط تارخ گوئی میں نے کتبِ مستندہ میں دیکھے اور حضرت جہاں استاد مدظلہ العالی نے بھی جو کچھ مجھے تعلیم و تلقین فرمایا، وہ سب بشرح و بسط تمام اس رسالہ عجالہ میں بنظر آسانی برادران فن درج کیے گئے" (گلبنِ تاریخ صفحہ ۲۶) ۔

اس دعوے کے پیش نظر یہ لازم آتا ہے کہ دیباچے میں جو کچھ قواعد و ضوابط تاریخ گوئی کے درج ہیں ان پر ایک نظر ڈالی جائے تاکہ فن تاریخ گوئی کے متعلق الم کے نظریات سامنے آسکیں ۔

ام التواریخ میں 'وبائی' کو 'وباے' لکھ کر ۱۹ عدد اور 'وبائی' لکھ کر ۲۹ عدد لیے ہیں ۔ جب وبائی کے ۲۹ عدد لیے ہیں، 'ئی' کو 'ی' کر کے لکھا ہے جو درست نہیں (ام التواریخ صفحہ ۳ و ۵) ۔

آئینہ تواریخ میں 'جدائی' کو 'جداے' لکھ کر ۱۸ عدد لیے ہیں جو درست نہیں ۔ اس کے عدد اٹھائیس (۲۸) ہونا چاہیے (آئینہ تواریخ، صفحہ ۸) ۔

گلشن خیال میں 'پائی' کو 'پای' لکھ کر ۱۲ عدد لیے ہیں اور دوسری جگہ 'خویش ستائی' کے ۱۳۹۷ عدد لیے ہیں اور ستائی کی 'ئی' کے ۲۰ عدد شمار کیے ہیں (گلشن خیال، صفحہ ۱۹ ۔ ۲۱۰) ۔

گنجینۂ تواریخ میں طباطبائی کے ۳۴ عدد شمار کیے ہیں اور طباطبائی کی 'ئی' کے دس عدد لیے ہیں جو درست نہیں (گنجینۂ تواریخ صفحہ ۷) ۔

گلبن تاریخ میں 'ادائی' کو 'اداى' لکھ کر ۱۶ عدد لیے ہیں حالانکہ ایسی یا کے وہ اکثر بیس ہی عدد لیتے ہیں ۔ چنانچہ 'آبائی' کے ۲۴ اور 'ہوائی' کے ۳۲ عدد لیے ہیں (گلبن تاریخ، صفحہ ۵ و ۷) ۔

عدد التاریخ میں 'ہوئی' کے عدد نہیں لکھے گئے، البتہ 'آج غرق ہوئی' کے ۱۳۲۵ عدد محسوب کیے ہیں ۔ یہاں 'ہوئی' کے ۲۱ عدد شمار میں آئے ہیں جو ملخص تسلیم میں بتائے ہوئے اصول کے خلاف ہیں (عدد التاریخ، صفحہ ۲۷۳) ۔

۱ ۔ گلبنِ تاریخ، صفحہ ۵ ۔

ہمزے کی قیمت پر بحث کرتے ہوئے الم یہ متعین کرتے ہیں کہ "اہل جمل نے اس کے لیے کوئی عدد مقرر نہیں کیا اور نہ یہ حروف ابجد میں داخل ہے ۔ پس تاریخ میں اس کا کوئی عدد نہ لیا جائے بلکہ بجائے حرکت تصور کریں (۱) ۔"

چنانچہ ہمزے کو الف قرار دے کر ایک عدد لینے کا طریقہ درست نہیں ۔ یہ اس صورت میں جائز ہے کہ ہمزے کو الف کی صورت میں تحریر کیا جائے ۔

الف ممدودہ کی بحث میں الم کا نظریہ یہ ہے کہ الف (آ) ممدودہ چوں کہ کتابت میں ایک ہی الف لکھا جاتا ہے اس واسطے اس کا ایک ہی عدد لینا چاہیئے ۔ اس خیال سے الم کو اتفاق نہیں ہے کہ الف ممدودہ مرکب ہے ۔ ہمزہ اور الف ساکن سے اور اس لحاظ سے اس کے دو عدد شمار کرنے چاہییے ۔ اس قول کی تردید الم نے دو وجوہ سے کی ہے ؛ اول یہ کہ ان کے نزدیک ہمزے کا کوئی عدد نہیں ۔ دوسرے یہ کہ تاریخ میں جتنے حروف لکھے جاتے ہیں ، ان کے عدد محسوب ہوتے ہیں ۔ الف ممدودہ میں مد کی حیثیت ایک حرکت کی ہے ، نہ کہ ایک حرف کی ۔

تاے مثناۃ فوقانی کے بیان میں الم نے میر ضامن علی جلال اور بابو رام پرشاد مصنف 'کانِ تاریخ' کے اقوال سے بحث کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ تاے مثناۃ فوقانی کی دو صورتیں ہیں ؛ جب بشکل ہاے مدور لکھی جائے تو اس کے چار سو عدد لینا درست نہیں ۔ بصورت ہاے مدورہ پانچ عدد لینا درست ہیں لیکن یہاں الم نے ایک مخصوص نظریہ پیش کیا ہے (۲) : "رسم الخط میں ہاے مدور پر دو نقطے نہیں لکھتے ۔" زبان دانانِ عجم نے تا کے عدد خواہ وہ دراز ہو یا مدور چار سو (۴۰۰) لیے ہیں ۔ قواعد تاریخ گوئی کے مطابق جیسی کتابت ہو ویسے ہی عدد لیے جائیں ۔ جہاں کہیں تاے دراز ہو اس کے چار سو شمار کیے جائیں اور جب ہاے مدور پر دو نقطے ہوں تو اس کے بھی چار سو ہی لیے جائیں ۔

یاے تحتانی کے بیان میں الم کا قول ہے کہ :

---

۱ ۔ گلبنِ تاریخ ، صفحہ ٦ ۔

۲ ۔ گلبنِ تاریخ ، صفحہ ۷ ۔

۳ ۔ گلبنِ تاریخ ، صفحہ ۸ ۔

"یائے (۲) مثناۃ تحتانی خواہ معروف یا مجہول جیسے خدائی ، رسائی بر وزن فعولن اور آئی بر وزن فعلن بسکون عین اور گئی ، ہوئی بر وزن فعل بہ تحریک عین اور 'آنے' بر وزن فعلن بسکون عین اور 'گئے' بروزن فعل و غیرہا ان یایوں کے بیس بیس عدد شمار کیے جائیں گے ۔"

اور بنیاد اس قول کی کتابت ہے ۔ اس ضمن میں الم نے میر ضامن علی جلال پر اعتراض وارد کیا ہے ۔ جلال نے یاے معروف ہمزہ دار کے بیس عدد اور یاے مجہول بے ہمزہ کے دس عدد قرار دیے ہیں اور یاے مجہول کی کتابت کے لیے ایک یا کے ساتھ لکھنے کی تاکید کی ہے لیکن وجہ تحریر نہیں کی کہ یاے معروف و مجہول میں اتنا فرق کیوں کر ہوا حالاں کہ دونوں پر ہمزہ ہے اور دونوں کا ایک ہی وزن ہے ۔ جلال نے 'گلزار داغ' کی تاریخ طبع جو دیوان مذکور میں ہے ، یوں تحریر کی ہے :

بوئے گلزار داغ آئی آج

اور "افادۂ تاریخ" میں اسی مصرع کی کتابت اس طور پر درج ہے :

بوءِ گلزار داغ آئی آج

بصورتِ اول کے بعد 'ئے' اضافی ہے ۔ اگر اس کے دس عدد شمار کیے جائیں اور آئی کی 'ئی' کے بیس عدد تو ۱۳۰۶ ہوتے ہیں جس سے دس عدد سنہ مطلوب سے بڑھ جاتے ہیں اور بصورت ثانی 'بو' کے بعد ہمزۂ اضافت (ء) خلاف رسم الخط اور متروک ہے ۔ خود جلال کا نظریہ اس باب میں یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گلزار داغ چونکہ افادۂ تاریخ سے پہلے طبع ہوا ہے اس لیے ابتدائی صورت میں جلال نے 'بو' کو یاے اضافت کے ساتھ تحریر کیا تھا اور 'آئی' کی یا کے دس عدد لیے تھے لیکن افادۂ تاریخ کی تالیف کے وقت اس کی صحت کر لی گئی ۔ چونکہ 'آئی' کی یا کے بیس عدد لینا ضروری تھے اس لیے یاے اضافت کو اڑا کر ہمزۂ اضافت لکھ دیا ۔ یہاں جلال پر الم کا اعتراض درست نہیں معلوم ہوتا ۔ جلال نے شعراے ایران کے تتبع میں یاے مجہول ہمزہ دار کے دس عدد لیے ہیں اور ہندی تاریخ گویوں نے اس نظریے کو نادرست قرار دیا ہے کہ یاے مجہول ہمزہ دار جب بلا اشباع ہو تو ایک 'ے' کے عدد شمار میں آئیں گے اور جب باشباع ہو تو دو یا کے عدد محسوب ہوں گے ۔ داغ کی ایک تاریخ ہے :

سازگار (۲) آئے الٰہی متفق لیل و نہار

۱۳۰۸ھ

اس مصرع میں 'آئے' کے اکیس عدد شمار میں آئے ہیں ۔ داغ کی ایک اور تاریخ ہے :

شان و شوکت (۲) جاہ و اقبال اب یہ آئے

۱۳۸۱ھ

اس مصرع میں 'آئے' کے گیارہ عدد محسوب ہوئے ہیں ۔

'آئے' کی یائے مجہول اگر باشباع ہو تو وہ فعلن کے وزن پر ہے اور اگر بلا اشباع ہو تو فاع کے وزن پر ۔ مگر ان دونوں صورتوں میں یاے مذکور پر رسم الخط میں شوشہ بحالتِ اشباع نہیں لگایا جاتا ، بلکہ یاے مجہول باشباع ایک ہی طرح لکھی جاتی ہیں ۔ اشباعی حالت میں اسے فقط کھینچ کر پڑھتے ہیں اور بس لہذا وہی قاعدہ اشباع اردو الفاظ میں جاری رہے گا ۔ یاے مجہول بلا اشباع اور باشباع کو ان مثالوں سے سمجھئے ۔ مثلاً :

پاے   مرا   لنگ   نیست
ملکِ   خدا   تنگ   نیست

مصرع اولٰی میں 'پائے' میں یاے مجہول بلا اشباع ہے :

بجائے   بزرگان   نشستن   خطاست

اس مصرع میں 'بجائے' کی یائے مجہول باشباع ہے ۔

لیکن یہ اشباع صرف تلفظ میں ظاہر ہو گا ، یعنی کسرہ کھینچ کر پڑھا جائے گا ۔ کوئی مکتوبی علامت شوشہ وغیرہ یاے مذکور پر نہ دیا جائے گا اور مشبع و غیر مشبع

---

۱ ۔ حضرت امیر مینائی فرماتے ہیں کہ جلال نے آئی میں دس عدد نہیں لیے ہیں بلکہ بیس عدد لیے ہیں ۔ البتہ بوی میں 'ی' نہیں لکھی ہے ، واو کو اضافت دی ہے ۔ چنانچہ دیوان میں بغیری کے چھپوایا ہے اور افادۂ تاریخ میں بھی اس سے بحث کی ہے (مکاتیب امیر مینائی ؛ مرتبہ احسن اللہ ثاقب ، خط بنام نعیم الحق آزاد ، ۲۱ اپریل ۱۸۹۳ء) ۔

۲ ۔ ہ ں نا ‌نے صفر ہ

دونوں یائیں ایک ہی طرح لکھی جائیں گی۔

چناں چہ اردو الفاظ میں بھی اس کا تتبع کیا جاتا ہے اور کیا جانا چاہیئے، کیوں کہ مصادر اردو میں علامت مصدر حذف کرنے کے بعد صیغۂ واحد حاضر مضارع بن جاتے ہیں۔ جیسے مصدر آنا سے 'نا' علامتِ مصدر دور کرنے کے بعد 'آ' صیغۂ واحد حاضر امر بن جائے گا اور جب اس پر یاے مجہول بڑھائی جائے گی تو صیغۂ مضارع واحد غائب و واحد حاضر دونوں بن جائیں گے۔ مقدمین یاے مجہول سے پہلے مضارع میں 'واؤ' بھی بڑھا دیتے تھے اور 'آئے' کو 'آوے' لکھتے تھے۔ مگر متاخرین میں قطعاً یہ متروک ہے۔ ممکن ہے کہ جو لوگ یاے مجہول مشبع پر شوشہ لگاتے ہیں، ان کے خیال میں یہ ہو کہ وہی 'واؤ' ی کی صورت میں بدل کر دوسری 'ی' کے لباس میں نمودار ہوا ہے۔ مگر یہ توجیہ ضعیف اور ناقابل قبول معلوم ہوتی ہے۔ درحقیقت اشباع کسرہ پر ان کو دوسری 'ے' کا دھوکا ہوتا ہے۔

کثرت راے اسی قول کی موید ہے اور جلال نے اپنے رسالۂ افادہ تاریخ میں اسے قول فیصل قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کبھی کوئی سخت ضرورت اس قسم کی پڑ جائے کہ کوئی عمدہ مادۂ تاریخ یاے مجہول مشبع کے بیس عدد شمار کرنے سے کسی اردو لفظ میں پورا ہوتا ہو تو ایسی حالت میں یاے مجہول مشبع کو اردو لفظ میں شوشہ دار لکھنا جائز سمجھا جائے گا اور اسے گویا Poetical Licence سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ بر بناے قواعد صرفی یاے مجہول کے بحالت اشباع بیس عدد شمار کرنا مناسب نہیں۔

اسی طرح 'آئی'، 'لائی'، 'پائی'، 'ہوئی' وغیرہ میں از روے رسم الخط دو 'ی' ہیں۔ ایک شوشے کی شکل میں جو ہمزے کی آواز دے رہی ہے اور دوسری دائرے کی صورت میں یاے یا واؤ (معروف خواہ مجہول) ہو جب یاے معروف ساکن بڑھائی جائے گی تو دو ساکنوں یعنی الف خواہ واؤ مذکور اور اس 'ی' کے درمیان ایک یاے وقایہ جو مکسور اور ہمزہ کی آواز دیتی ہے، لائی جائے گی۔ جیسے 'آ' سے 'آئی'، 'سو' سے 'ہوئی' (جس میں واو مجہول ہے)۔ اسی طرح روئی، کوئی، دوئی، سب الفاظ لکھے جائیں گے۔ ان میں پہلی 'ی' جو متحرک ہے، یعنی مکسور اور ہمزے کی آواز دے رہی ہے، یاے وقایہ ہے اور دوسری 'ی' جو دائرے کی شکل میں ہے، یاے

معروف ساکن ۔ لہٰذا بلحاظ کتابت دونوں کے عدد شمار ہوں گے ۔ اور اگر ایسے الفاظ پر یاے مجہول بڑہائی جائے تو ان میں یاے وقایہ لائے جانے کی ضرورت نہیں ، اس لیے کہ وہ 'ی' خود ہمزہ مکسور کی آواز دے گی جیسے آئے ، سوئے وغیرہ ۔ البتہ ایسے الفاظ جن کے آخر میں یائے ساکن ہو ، ان پر اگر یاے مجہول لائی جاے تو وہ یاے ساکن ہمزۂ مکسور کی آواز سے بدل جائے گی اور یاے مجہول ساکن ہو جائے گی ۔ جیسے لے سے لیے ، دے سے دیے ، کی سے کیے ،گیا سے گئے ، (اس لفظ میں الف ، جو علامت واحد مذکر غائب صیغہ ماضی مطلق میں ہے ، اسے حذف کرنے کے بعد یاے متحرک جو باقی رہی ، اسے ہمزے کی آواز سے بدل کر آخر میں یاے مجہول ساکن بڑھا دی گئی ہے ۔) غالباً جلال مرحوم نے یاے معروف و یاے مجہول کے اعداد کی بحث میں اسی نظریے کے پیش نظر افادۂ تاریخ میں اپنا موقف پیش کیا ہے ۔

ہم آخر میں اتنا اور عرض کریں گے کہ تاریخ گوئی کا فن مساوی الاعداد الفاظ کے لغات کی مدد سے حاصل کرنا اس فن کی ترقی میں ممد ہو سکتا ہے ۔ یہ درست ہے کہ ہمارے دور میں تاریخ گوئی کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو متاخرین کے زمانے تک دی جاتی رہی ہے مگر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ گوئی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور اس فن سے بالکل آنکھیں بند کر لینا اور اس کو دانستہ بھلا دینا کسی طور پر بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا ۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر یہ مضمون تحریر کیا گیا ہے ۔ ہماری کوشش یہ بھی رہی ہے کہ ان لغات کا تقابلی مطالعہ پیش کریں ۔ یہ طریقہ متاخرین میں رائج نہ تھا لیکن جدید تحقیق و تنقید میں تقابلی مطالعہ ازبس ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ راقم الحروف نے بہت کوشش کی کہ اس نوعیت کے دوسرے مضامین تک رسائی ہو تاکہ دانش وروں اور ارباب علم کے خیالات سے فائدہ اٹھایا جا سکے ، لیکن کوئی ایسا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا ۔ خیر پہلے جو ہوا سو ہوا ، اب امید کی جا سکتی ہے کہ اس فن کے جاننے والے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے اور یہ سلسلہ چل نکلے گا ۔

☆ ☆ ☆

ہمزہ کے عدد

یہ مسلماتِ فنِ تاریخ میں سے ہے ۔ کہ ہمزہ بہ شکل (ء) حروفِ ابجد میں سے کوئی حرف نہیں ۔ تاریخ میں مکتوبی حروف کے عدد لئے جاتے ہیں اور ملفوظی کا شمار نہیں ہوتا بلکہ آوازِ الف متحرک کی علامت ہے کہ جب (واؤ) یا (ی) یا (ہائے مختفی) پر واقع ہوتا ہے تو اس حرف میں الفِ متحرک کی آواز پیدا کر دیتا ہے ۔ ہمزہ کی طرح مد (~) اور الفِ خنجری (ا) بھی الف کی علامتیں ہیں ۔ حروف میں ان کا شمار نہیں ہے ۔ مثلاً "اب" اور "آب" ان دونوں لفظوں کے تین ہی عدد محسوب ہوں گے ۔ یعنی الفِ ممدودہ کا بھی وہی عدد لیا جائے گا جو محض الف کا ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ۔ اسی طرح عیسیٰ اور موسیٰ یا اسحٰق پر جو علامت بطور الفِ خنجری بنا دی جاتی ہے ۔ اس کا شمار حروف میں نہیں ۔ عدد اور اسحٰق میں (ح) کے عدد شمار ہوں گے ۔ ہاں اگر عیسیٰ کو "عیسا" اور موسیٰ کو "موسا" اور اسحٰق کو "اسحاق" الف کے ساتھ لکھئے تو پھر الف کا عدد شمار ہوں گے —— پس ہمزہ ، مد ، الفِ خنجری آواز الف کی علامتیں ہیں ۔ حروفِ مستقل نہیں لہٰذا تاریخ گوئی میں ان کا کوئی عدد نہیں لیا جائے گا ۔ مد اشباعِ فتحہ ، الفِ خنجری الفِ ملفوظی اور ہمزہ الفِ مکسور یا مضموم کی علامت ہے ۔

ہمزہ الفِ متحرک کا نام ہے ۔ جو کلمات کی ابتدا میں آتا ہے۔ الف متحرک کی آواز کے لئے یہ شکل مقرر کی گئی ہے (ء) جب (و یا ی) پر یہ شکل بنا دی جاتی ہے ۔ تو ان دونوں کی آواز بدل کر الف متحرک کی آواز بن جاتی ہے اور ان کی اصلی آواز کا ثقل بر طرف ہو جاتا ہے ۔ تلفظ میں سلاست و نرمی پیدا ہو جاتی ہے ۔ مثلاً طاؤس میں واوِ معروف ہے ۔ اصلی تلفظ اس کا (ووس) اس لئے واؤ کو ہمزہ (الف کی آواز) سے بدل دیا گیا ۔ اب تلفظ میں نرمی آگئی یعنی (اوس) ہوگیا یہی حال (ی) کا ہے ۔ تزئین میں دو (ی) اور ان کے تلفظ میں سلاست نہیں بلکہ ثقل ہے اس لئے پہلی (ی) کی آواز کو ہمزہ (ء) یعنی الفِ متحرک کی آواز سے بدل دیا ۔ اس میں سلاست و نرمی پیدا ہوگئی حاصل کلام یہ ہے کہ (ی) کے شوشے پر

جو ہمزہ بنایا جاتا ہے وہ محض تبدیلی آواز کی غرض سے بنایا جاتا ہے تاکہ وہ (ی) الفِ متحرک کی آواز دے ۔ اس آواز کی تبدیلی سے حرف کی تعداد نہیں بدلتی یعنی جو (ی) ہمزہ ہوکر الف کی آواز دے گا اس کے وہی دس عدد شمار ہوں گے ۔ یہ نہیں کہ ہمزہ کے آنے سے اور الفِ متحرک کی آواز دینے سے اس کے عدد غائب ہو جائیں یا شمار میں وہ ہم عدد (الف) ایک ہو جائے ۔ آئین ، تزئین ، سائل ، قائل وغیرہ کل الفاظ اسی قاعدے کے تحت آتے ہیں ۔ ہمزہ کی یہ شکل (ء) جس حرف پر ہو گی ، اس کی آواز بدل کر الفِ متحرک کی آواز اس میں پیدا کرے گی ۔ لیکن اس حرف کی قیمتِ عددی بدستور قائم رہے گی ۔ مثلاً تختۂ در میں ہائے مختفی پر جو ہمزہ (علامتِ آوازِ الفِ متحرک) ہے ۔اس نے محض آواز کو بدل دیا مگر ہائے مختفی کے جو پانچ عدد لئے جاتے ہیں وہ بدستور لئے جائیں گے ۔ لہٰذا ہمزہ کے عدد لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ ہمزہ رسم الخط کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے عدد شمار کرنا قطعاً غلط اور بے قاعدہ ہے ۔

عربی و فارسی میں جو الف صدر کلمات میں آتا ہے حقیقتاً وہ ہمزہ ہوتا ہے ۔ مگر اس کی کتابت کیونکہ الف ہی کی شکل میں واقع ہوتی ہے ۔ اس لئے فنِ جمل میں اس کا ایک عدد محسوب ہوتا ہے۔ مثلاً اسلام و ابن ۔ یہ کلیہ فنِ تاریخ گوئی کے بنیادی اصولوں کی طرف ایک ایسا اشارہ ہے کہ جس کے تتبع سے ہم کبھی جادۂ مستقیم سے بھٹک نہیں سکتے ۔ فن تاریخ میں مکتوبی حروف ہی پر ان کی قیمتِ عددی کا انحصار ہے ۔

فنِ کتابت میں ہمزہ کی ہستی رسم الخط کے طور سے سرعین کی شکل میں واقع ہوتی ہے ۔ ہمزہ کا شمار حروفِ ابجد میں نہیں اور اس کی جگہ اشکالِ حروفِ صحیحہ میں نہیں ۔ فنِ جمل میں کیونکہ اس کا کوئی عدد مقرر نہیں ، اس لئے ہم اس بحث میں ہمزہ کے استعمال کے مختلف مواقع پیش کرتے ہیں ۔ اور اس ہمزہ کے قواعدِ استعمال پر جو خطِ منحنی کی شکل میں عبارت ہوتا ہے اور جس کا کوئی عدد کسی حالت میں بھی شمار نہ ہونا چاہیے ، تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں ۔ تاکہ اس کی حقیقت آئینہ ہو جائے ۔

(۱) ہمزہ اور ہائے مختفی

ہمزہ مجہول ہائے مختفی پر کبھی بحالتِ اضافت آتا ہے ۔ مثلاً بستۂ الفت ، شکستۂ یاس کبھی اس کا استعمال ہائے مختفی پر بحالتِ نکرہ ہوتا ہے ۔ مثلاً نشستۂ ، ساختۂ اور کبھی یہی ہمزہ بحالتِ خطاب واقع ہوتا ہے ۔ مثلاً آمدۂ ، رفتۂ ایسا ہمزہ ہمیشہ غیر محسوب ہوتا ہے ۔ بعض نے ایسے ہمزے کے عدد محسوب کئے ہیں ۔ لیکن ان کی یہ روش ساقط الاعتبار ، ناقابلِ تقلید اور ثقاتِ فنِ جمل کے مشرب کے سراسر خلاف ہے ۔ اس قسم کے الفاظ میں عدد فقط اس ہائے مختفی ہی کے لئے جائیں گے جن پر یہ واقع ہے ۔ کیونکہ ایسے ہمزہ سے محض تلفظ میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے ۔ اور تلفظ کا اعتبار فنِ جمل میں نہیں ۔ تاریخ کا تعلق فقط مکتوبی حروف سے ہوتا ہے ۔ اور فنِ جمل میں یہی متفقہ قانونِ اساسی ہے ۔

جب ہائے مختفی پر اضافت لگاتے ہیں تو وہ ساکن نہیں رہتی بلکہ وہ متحرک بحالتِ کسرہ ہو جاتی ہے ۔ اور اس کسرہ میں کبھی کم اشباع ہوتا ہے کبھی زیادہ ۔ جب اشباع کم ہو تو اس کے عوض تقطیع میں ایک ہائے تحتانی شمار کرتے ہیں ۔ مثلاً

ع روضۂ جاں بخش آفریں

یہاں روضہ کی ہائے مختفی غیر اشباعی ہے ۔ اس لئے اس کے عوض ایک تحتانی لکھی جائے گی روض یجا مُفتَعِلُن اور جب اشباع زیادہ ہوتا ہے مثلاً

ع کیا حباب اٹھا ہوا ہے چشمۂ سیماب سے

تو یہی ہائے دو تحتانی ہو کر شمار ہوگی ۔ یعنی چشم یے سی فَاعِلَاتُن — یہاں ایک اور حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے ۔ کہ فنِ تاریخ کو فنِ عروض سے کوئی مناسبت نہیں ۔ جہاں عروض کے قواعد کا دارومدار حروفِ ملفوظی کا مرہونِ منت ہے ۔ وہاں فنِ تاریخ کے قواعد کا انحصار حروفِ مکتوبی پر ہے ۔ نہ تو تلفظ کو اس میں دخل ہے ۔ نہ لفظ کی اصلیت کو اس میں درک ۔ ہم پھر ایک بار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فنِ تاریخ میں مکتوبی حروف ہی کے عدد لینے چاہیے ۔ مثلاً

امام الفن جلیل	کہ ایں ہم چشمۂ آبِ حیات است	(۱۳۳۷)
لسان القوم صفی	ہست ہمیں چشمۂ آبِ حیات	(۱۳۴۰)
نفیس لکھنوی	خانۂ ماتمِ حسینؑ یہ ہے	(۱۲۹۵)
مجروح دہلوی	کہہ عبادت خانۂ عالی بنا	(۱۲۹۷)

مذکورہ مصرع ہائے تاریخ میں ہائے مختفی کے عدد شمار ہوئے ہیں ۔ ہمزہ کا کوئی عدد کسی بزرگ نے شمار نہیں کیا ۔

(۲) ہمزہ اور الف

ثقاتِ تاریخ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے ۔ کہ ہمزہ بعد الف کوئی چیز نہیں اور اس کا کوئی عدد کسی حالت میں بھی شمار نہ کرنا چاہیے ۔ اور یہی حکم ہمزہ بعد واو کی نسبت بھی ہے ۔ اور اسی قاعدے کے ماتحت ہمزۂ منوّن کو بھی سمجھنا چاہیے ۔ ایسا ہمزہ حسابِ جمل میں محسوب نہیں ہوتا ۔ مگر بعض متاخرین نے اس تاباں حقیقت سے چشم پوشی اختیار کرکے ایسے ہمزے کا ایک عدد لیا ہے۔

(۱) یُورِثُھا من یشاءُ (۱۱۲۴)

(۲) علماءِ امّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل (۱۰۵۲)

کیونکہ ابجد ، ہوز ، میں ہمزہ کا کہیں ذکر نہیں پھر تاریخ میں اس کے عدد محسوب کرنا فن تاریخ گوئی کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی ہے ۔ "یُورِثُھا من یشاءُ" کے ہمزہ کے متعلق مولانا قدر بلگرامی ، تسلیم سہسوانی' ولا حیدر آبادی سبھی نے اعتراض کیا ہے ۔

یہ مادۂ تاریخ ہے اور ہمزہ کو بضرورت علامہ واسطی نے اعداد میں شمار کر لیا ۔ صاحب غرائب الجمل نے بھی اعتراض کیا ہے

اسی طرح (علماء اور کانبیاء) میں جو ہمزہ ہے اس کا بھی ایک ایک عدد محسوب ہوا ہے جو صحیح نہیں احسن مارہروی کی ایک تاریخ ہے جو انھوں نے طوفان نوح کی

اشاعت کے موقع پر کہی ہے

ع کشتیٔ طبعِ رواں ہے مبدءِ طوفانِ نوح

حضرت احسن مارہروی مرحوم حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔ فنِ تاریخ کے ماہر بزرگ تھے ۔ انہوں نے (مبدء) میں ہمزہ کا ایک عدد شمار کیا ہے۔ غالباً انہوں نے مبدء کی کتابت (مبدأ) کی ہو گی ۔ اور طوفان نوح میں کسی کاتب کی مہربانی سے یہ لفظ ہمزہ کتابت ہو گیا واللہ واعلم ۔ البتہ انشاء داغ (۱۳۵۸) میں ہمزہ جو عدد لیا ہے یہ صحیح نہیں۔

بعض مؤرخین نے مرکباتِ زبان فارسی میں یاے مجہول اضافی کی بجاے ہمزہ مکسور لکھ کر فارسی رسم الخط سے چشم پوشی کی ہے ۔ مثلاً

(۱) سراپاءِ بے مثل مطبوع شد (۱۲۷۰)

(۲) احیاءِ سخن چو کرد یحییٰ جاں داد (۱۰۶۰)

یہاں سراپا اور احیا کے بعد کا ہمزہ اصل میں یاے تحتانی ہے اور اس کی کتابت "سراپائے بے مثل" اور "احیائے سخن" یاے تحتانی سے درست تھی ۔ اور فارسی رسم الخط کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ ایسے مرکبات میں جب الف آخر کلمہ واقع ہو تو مضاف کے بعد یائے مجہول کا لانا لازمی ہوتا ہے ۔ مذکورہ دونوں مصرع ہائے تاریخ میں تسلیح بدرجۂ اتم واضح ہے ۔ یہ تاریخ بھی اسی قبیل میں سے ہے ۔

حرفِ مد را ساخت مدغم پیرِ عقل آں گاہ گفت

نحو جائز کرد ایں جا التقاءِ ساکنین

(۱۰۹۹)

اس تاریخ میں بھی ہمزہ کو یاے مجہول کا بدل قرار دے کر ضرورت کو پورا کیا گیا کے قواعد کے سراسر خلاف ہے ۔ چنانچہ تسلیم سہسوانی کا یہ قول ہمارے دعوے قول کا بیّن ثبوت ہے ۔

۱۔ ملخص تسلیم ص ۵۱

۲۔ غرائب الجمل ص ۱۳۵

"در فارسی ہمزہ نمی نگارند و ہمزہ کہ بعد الف می آید ۔ عوض آں یائے تحتانی می نگارند ۔ قاعدۂ عربی در فارسی جاری کردن خودرا عاری کردن است ۔ طبع حق پسند چہ گونہ خواہد پذیر فت ۔ امثلۂ ہمزہ و تحتانی عربی در فارسی باقر گیلانی در نعت حضرت رسول صلعم تاریخِ جلوس عالمگیر گفتہ ۔

ملجاے دوسرا امام المتقین | مکرم جہاں سید المرسلین
(۱۰۶۸) | (۱۰۶۸)

سماے حکم و سخا و مہ جمال عطا
(۱۰۶۸)

پناہِ تاجوراں کا سماں ندیدہ چناں
(۱۰۶۸)

در ملجائے و سمائے ہمزہ تحتانی است " (۱)

ہمزہ بعد الف کیونکہ رسم الخط سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ۔ اس لئے گنجینۂ تاریخ میں جناب رعد حیدر آبادی نے ضیاء اللہ کے (۸۷۷) اور ضیاء الدین کے (۹۰۶) شمار کئے ہیں ۔ مؤلف تاریخ الاسماء نے بہاء کے (۸) ذکاء کے (۷۲۱) اور رواء کے (۶۰۷) عدد لئے ہیں ۔ مرزا محشر مرحوم کا یہ مصرع

یہ بنی قبر ضیاء الاسلام (۱۳۵۳) عدد کا حامل ہے

وسیم خیرآبادی مرحوم نے "رفیق النساء بھی ہے دلکش کتاب" کے (۱۳۴۱) عدد محسوب کئے ہیں جناب بدر آروی نے "رنگین و فصیح نظم ماشاء اللہ" کے (۱۹۲۲) عدد شمار کئے ہیں ۔

مذکورہ مادوں میں جہاں کہیں ہمزہ آیا ہے غیر محسوب ہے ۔ جن حضرات نے ایسے ہمزے کے عدد لئے ہیں ۔ ان کا یہ مشرب ضعیف اور فقط ضرورتِ تاریخ اس کا منشا ہے ۔

ذیل میں ہم ایک اور تاریخ پر حقیقت کی روشنی ڈالتے ہیں یہ تاریخ گلزارِ داغ

۱ - ملخص تسلیم ص ۵۱ طبع نیر اعظم پریس مراد آباد ۱۸۹۶ء

کی حضرت جلال لکھنؤی نے کہی ہے ۔ اس تاریخ کی تین صورتیں سامنے آئی ہیں ۔

۱ بوءِ گلزار داغ آئی آج (۱۲۹۶)

۲ بوے گلزار داغ آی آج

۳ بوِ گلزار داغ آئی آج

پہلے مصرع تاریخ میں بو کے بعد ہمزہ (ء) غیر محسوب ہے ۔ اور (آئی) کے اکیس عدد لئے ہے ۔ یہاں ہمزہ مکسور فارسی رسم الخط کے قواعد کے خلاف اور متروک ہے۔ دوسرے مصرع میں بو کے بعد یاے مجہول ہے اور (آی) کو ایک تحتای سے لکھا گیا ہے ۔ آئی میں بلاشبہ دو تحتانیاں ہیں اس طرح بو کے بعد یاے مجہول اور آئی کے اکیس عدد شمار کرنے سے سال مطلوبہ سے دس عدد بڑھ جاتے ہیں تیسری صورت میں (بوِ گلزار) کہنے اور آئی کو دو تحتانی سے کتابت کرنے سے سالِ مطلوبہ (۱۲۹۶) برآمد ہوتا ہے اور یہی سال مؤرخ کو مطلوب ہے ۔ نظر ایسا آتا ہے کہ مختلف ناقدین نے عدد تو جوڑے ہیں ۔ لیکن تاریخ میں جو نازک تسامح پیدا ہوگیا تھا ۔ اس کی طرف غور نہیں کیا ۔ حضرت جلال کا یہ مادہ تاریخ "بوِ گلزار داغ آئی آج" صحیح ہے ۔ اور حضرت امیر مینائی نے بھی اس کی تصریح فرمادی تھی ۔ چنانچہ حضرت امیر مینائی نے ایک خط منشی نعیم الحق صاحب آزاد شیخ پوری کو ۱۴ نومبر ۱۸۹۱ء میں لکھا تھا ۔ آزاد صاحب کے استفسار پر انہوں نے لکھا تھا ۔

"میں نے اب یہی مشرب اختیار کرلیا ہے ۔ کہ آئی اور آئے اور گئی اور گئے سب میں دہری (ی) خیال کی جائے ۔ اور بیس عدد لئے جائیں ۔ پہلے میرا خیال تھا ۔ کہ آئے میں ۱۰ عدد اور آئی میں ۲۰ عدد شمار کئے جائیں ۔ مگر اب بعض وجوہ سے یاے معروف دونوں کے ۲۰ عدد قرار دیئے ہیں ۔ اگر آپ کو یہ مشرب پسند تو آپ بھی اختیار کیجئے ۔ جلال نے آئی میں ۱۰ عدد نہیں لئے ہیں بلکہ بیس عدد لئے ہیں البتہ "بوی" [۲] میں "ی" نہیں لکھی ہے ۔ واؤ کو اضافت دی ہے ۔ چنانچہ دیوان میں بھی بغیر "ی" کے چھپوایا ہے اور افادہ تاریخ میں بھی اس سے بحث کی ہے ۔"

۱ ۔ مکاتیب امیر مینائی ص ۲۹۷ ، مرتبہ احسن اللہ خان ثاقب طبع مطبوعہ ادریہ لاٹوش روڈ لکھنؤ

۲ ۔ افادہ التاریخ ص ۲۹ طبع لکھنؤ

(۳) ہمزہ اور واؤ

ہمزہ واؤ پر کبھی بحالت مجہول اور کبھی بحالتِ معروف رسم الخط کے طور سے آتا ہے۔ مگر فنِ تاریخ میں اس کا کوئی عدد نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ واؤ پر اس کی کتابت محض تلفظ کی تبدیلی کی غرض سے عمل میں آتی ہے۔ اور ایسی صورتِ اشکال حروفِ ابجد میں سے نہیں۔ مثلاً رؤف، طاؤس، کماؤ، کھاؤ، واؤ، آؤ، جاؤ وغیرہ سب الفاظ کا ہمزہ رسم الخط ہے اور اس کے عدد محسوب نہیں کئے جائیں گے۔ مثال کے طور سے چند مصرع ہائے تاریخ ملاحظہ ہوں۔

جناب سرور نے کسی بزرگ کی تاریخ وفات "طاؤس حرمین (۳۸۴) کہی ہے۔

مصحفی امروہوی	ع	سودا کجاؤ آں سخنِ دلفریبِ او	(۱۱۹۵)
رشک لکھنؤی	ع	دلاشعر گوئی او تھی لکھنؤ سے	(۱۲۵۴)
سرور لاہوری	ع	گفتہ ام شمعِ حق علاؤ الدین	(۷۲۰)
لسان القوم صفی	ع	قربان ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے	(۱۳۵۸)
نوح ناروی	ع	آؤ جلال امیر داغ	(۱۳۲۷)
بیخود دہلوی	ع	تاریخ یہ لکھو کہ عمدہ ہوا	(۱۳۲۱)

"ام التواریخ" از حسین علی فرحت دہلوی تاریخ گویوں کے لئے ہم عدد الفاظ کی ایک عمدہ اور لاجواب ڈکشنری ہے۔ اس میں انہوں نے آؤ جاو کے (۱۷) باؤ۔ پاؤ کے (۹) داؤ۔ آجاؤ کے (۱۱) عدد شمار کئے ہیں۔ ان الفاظ میں ہمزہ کے عدد نہیں لئے گئے اس لئے مؤرخین کے نزدیک واؤ پر ہمزہ غیر محسوب ہے۔

اسی طرح "عدد التاریخ" جس کے مؤلف ہندوستان کے ایک نامور مشہور نقادِ فنِ تاریخ منشی انور حسین تسلیم سہسوانی ہیں جن کی تالیف "ملحض تسلیم" تاریخ گوئی کی ایک نادر اور عمدہ تلاش تسلیم کی جاتی ہے۔ انہوں نے جلد آؤ (۴۴) داؤ (۱۱) الاؤ (۳۸) اور طاؤس کے (۷۶) عدد شمار کئے ہیں یہاں بھی ہمزہ شمار میں نہیں آیا۔ لیکن انہوں نے طاؤس کے (۸۶) عدد بھی شمار کئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ انہوں نے طاؤس کے واؤ کے ہمزہ کے دس عدد لئے ہیں ۔ جو قابلِ تقلید نہیں ۔ واؤ کے اوپر ہمزہ کے عدد لینا صحیح نہیں ۔

فنِ تاریخ گوئی از کپٹن منظور حسن صاحب نے رشک لکھنوی کی ایک تاریخی ماڈہ پر اعتراض کیا ہے تاریخی مصرع یہ ہے ۔

ولاشعر گوئی اٹھی لکھنو سے

فرماتے ہیں "اس میں سلف و خلف کے اصولوں کے خلاف لکھنؤ کے ہمزہ کے بھی چھ عدد لے لئے ۔ گویا دو واو۔یں شمار کر لی گئیں جو صریحاً غلط ہے"

منظور صاحب نے لکھنؤ کے ہمزہ کے متعلق جو فرمایا ہے صحیح نہیں لکھنؤ (کوفہ) کا ہم وزن ہے اور اس کے عدد (۱۱۱) ہیں ۔ یہاں نکتہ یہ ہے کہ اٹھی کی کتابت (اوٹھی) کی گئی تھی ۔ اور اوٹھی میں واو کے عدد شمار کئے گئے ہیں نہ کہ لکھنؤ کے واؤ کے ہمزہ کے ۔

(۴) ہمزہ اور یاے تحتانی ۔

یائے معروف کے شوشے پر ہمزہ کی کتابت ایک کثیر جماعت کی سمجھ میں نہ آسکی ۔ ان کا عقیدہ اس خیال پر مبنی معلوم ہوتا ہے ۔ کہ جب ہمزہ بعد الف کوئی چیز نہیں ۔ واؤ کے ہمزہ کو بھی شمار نہیں کیا جاتا ۔ ہاے مختفی کا ہمزہ بھی رسم الخط سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تو یائے معروف شوشہ وار کے ہمزہ کو ہم کیوں دوسری یا تصور کریں اور (ئی) کے بیس عدد لیں ۔ کیونکہ فن تاریخ میں ہمزہ کا کوئی عدد مقرر نہیں ۔ بظاہر ایسے حضرات کو اس نازک حقیقت کے سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے ۔ اس پر غور کرنا چاہیے ۔ کہ جن حضرات نے (ئی) کے بیس عدد لئے ہیں ۔ کیاانہوں نے ہمزہ کے دس عدد لئے ہیں یا شوشے کے ہم اس بحث میں یاے معروف اور یاے مجہول کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ اس مغالطے کو اہلِ فن تجزیہ کرکے صحیح موقف اختیار کریں ۔

۱ ۔ فن تاریخ گوئی ص ۱۲۰ طبع گلوب پبلشرز ، اردو بازار لاہور (۱۳۸۷ھ)

آئی ۔ کھائی ۔ پائی ۔ روئی ۔ کھوئی ۔ بوئی وغیرہ الفاظ میں از روے رسم الخط دو (ی) ہیں ۔ ایک شوشے کی صورت میں جو ہمزہ کی آواز دے رہی ہے اور دوسری دائرے کی شکل میں یاے معروف ساکن ۔ قاعدہ مقرر یہ ہے کہ ان الفاظ میں جن کے آخر میں الف یا واؤ (معروف خواہ مجہول) ہو جب یاے معروف ساکن بڑھائی جاے گی تو دو ساکنوں یعنی الف خواہ واؤ مذکور اور اُس (ی) کے درمیان ایک یاے وقایہ جو مکسور اور ہمزہ کی آواز دیتی ہے لائی جاے گی جیسے آ سے آئی سو سے سوئی (جس میں واوِ معروف ہے) اسی طرح کھوئی روئی ہوئی سب الفاظ لکھے جائیں گے ۔ ان میں پہلی (ی) جو متحرک ہے یعنی مکسور اور ہمزہ کی آواز دے رہی ہے ۔ یائے وقایہ ہے یعنی ایسی (ی) جو دو ساکنوں کے درمیان ربط کرنے کی غرض سے لائی جائے ۔ اور دوسری (ی) جو دائرے کی شکل میں ہے یائے معروف ساکن ہے ۔ لہٰذا بلحاظ کتابت دونوں کے عدد شمار ہوں گے ۔ اگر ایسے الفاظ پر یائے مجہول بڑھائی جاے تو ان میں یاے وقایہ لانے جانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ (ی) خود ہمزہ مکسور کی آواز دے گی ۔ جیسے آئے ۔ ہوئے وغیرہ البتہ ایسے الفاظ میں جن کے آخر میں یائے ساکن ہو ۔ ان پر یاے مجہول اگر لائی جاے تو وہ یاے ساکن ہمزہ مسکور کی آواز سے بدل جائیگی اور یاے مجہول ساکن ہو جائے گی ۔ جیسے لے سے لئے ۔ دے سے دیئے ۔ گیا سے گئے (اس لفظ میں الف جو علامتِ واحد مذکر غائب صیغۂ ماضی مطلق میں ہے ۔ اسے حذف کرنے کے بعد یائے متحرک جو باقی رہی اسے ہمزہ کی آواز سے بدل کر آخر میں یائے مجہول بڑھا دی گئی)

جانا ، ہونا ، مرنا ، کرنا سے ماضی مطلق واحد مذکر غائب کے صیغے بے قاعدہ بنائے گئے ہیں۔ یعنی جانا سے گیا ، ہونا سے ہوا مرنا سے موا (نیز موا قاعدہ کے مطابق) کرنا سے کیا ۔ اس لئے کہ اردو مصادر سے علامت مصدر حذف کرنے کے بعد یعنی "نا" دُور کرنے پر امر کا صیغہ رہ جائے گا ۔ اگر اس صیغے کے آخر میں الف یا واؤ ہو تو صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف بنانے کے لئے الف اور (ی) کا اس پر اضافہ کیا جائے گا ۔ جیسے آنا لانا کھانا سے آیا ، لایا ، کھایا بہ استثنا ان چند مصادر کے جن کے صیغۂ واحد مذکر حاضر بے صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف خلافِ

قاعدہ بنا ہے ، جن کا ابھی ذکر کر دیا گیا ہے اور اگر مصدر سے (نا) علامتِ مصدر دُور کرنے پر صیغہ امر حاضر کے آخر الف یا واؤ کے سوا اور حروف پائے جائیں تو صرف الف زیادہ کر کے صیغۂ واحد مذکر غائب ماضی مطلق بنے گا ۔ جیسے اٹھنا ، بیٹھنا ، لیٹنا سے صیغہ واحد امر حاضر اٹھ ، بیٹھ ، لیٹ ہوا ۔ پھر اس پر فقط الف بڑھا کر اٹھا ، بیٹھا، لیٹا صیغۂ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف بنتا ہے اور صیغۂ جمع مذکر غائب ماضی مطلق معروف الف کی جگہ یائے مجہول بڑھانے سے جیسے اٹھے ، بیٹھے ، لیٹے ۔ اب اگر صیغہ امر کے آخر میں (ی) ہو تو اس (ی) کو اس حالت میں ہمزہ مکسور کی آواز سے بدل کر یائے مجہول بڑھائیں گے جیسے لے ۔ دے ۔ پی ۔ سی ، سے واحد مذکر غائب ماضی مطلق ۔ لیا ، دیا ، پیا ، سیا اور جمع مذکر غائب ماضی مطلق لئے ، دیئے ، پیئے ، سیئے (نا) علامتِ مصدر حذف کرنے کے بعد صیغۂ امر حاضر کے آخر میں اگر یائے مجہول باقی رہے تو اس (ی) کو یائے معروف سے بدل کر صیغۂ واحدِ مونث غائب بنائیں گے ۔ اگر یائے معروف باقی رہے تو وہی صیغہ امر مونث غائب کا بھی سمجھا جائے گا ۔ جیسے لے ۔ دے ۔ سے صیغہ واحد مونث غائب ۔ یاے مجہول کو یائے معروف سے بدلنے پر لی اور دی ہوگا اور پی ۔ سی جن کے آخر میں یاے معروف موجود ہے ۔ وہ خود صیغۂ امر حاضر بھی ہے ۔ اور صیغۂ واحد مونث غائب ماضی مطلق بھی ۔ لہٰذا ایسے مشتقات جن کے صیغہ امر کے آخر الف یا واؤ ہو ان کا صیغہ واحد مذکر غائب ماضی معروف (یا) بڑھا کر اور اس صیغے کی جمع (ئیں) بڑھا کر بنائی جائے گی — ایسی صورت میں آئے ۔ کھائے ۔ پائے ۔ لائے وغیرہ یا روئے ، سوئے ، کھوئے ، دھوئے وغیرہ کل جمع مذکر غائب ماضی مطلق معروف کے صیغوں میں (جو مضارع کے بھی صیغۂ واحد غائب و حاضر ہوے) صرف ایک ہی یاے مجہول ہے ۔ جو ہمزہ کی آواز دیتی ہے ۔ اور اس یاے مجہول پر جب کسرہ اشباعی واقع ہوتا ہے تو وہ کھینچ کر پڑھی جاتی ہے ۔ اس کسرہ اشباعی کا بحالت تقطیع شعر وزنِ عروضی کے لحاظ سے ایک (ی) کے برابر فنِ عروض میں ہوگا ۔ مگر فنِ تاریخ میں کسرہ اشباعی کا کوئی شمار نہیں ۔ کتابت میں ایک (ے) لکھی جاے گی ۔ اور اس پر کوئی شوشہ نہ ہوگا ۔ یعنی آے ، پائے ، کھلائے کو اس طرح رسم الخط میں

نہیں لکھیں گے ۔ اسی بنا پر جلال مرحوم نے آے کے گیارہ عدد شمار کرنے کو کہا ہے ۔ خواہ وہ بروزن فاع ہو یا بحالت کسرہ اشباعی بروزن فِعْلُن ۔ اگر کوئی صاحب اس کے (۲۱) عدد لینا چاہیں تو پھر ان کو اس کا املا یوں لکھنا پڑے گا (آئے) لیکن یہ رسم الخط اور قواعد صرفی کے خلاف ہوگا ۔ "آئے" کی قیمت عددی کے متعلق اساتذہ اردو کے دو مسلک ہیں :۔

(۱) ایک یہ کہ جب آئے بروزن فاع ہو تو اس کے گیارہ عدد لئے جائیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب آئے بروزن فعلن ہو ۔ تو اس کے اکیس لئے جائیں اور ایسی یاے مجہول شوشہ دار لکھی جاے ۔ اس بنا پر کہ تاریخ میں حروفِ مکتوبی معتبر ہیں ۔

لیکن اصولی بحث یہ ہے ۔ کہ اردو زبان کے اشعار میں بیشتر بلکہ تمام تر عروض میں فارسی کا تتبع کیا جاتا ہے ۔ اور فارسی زبان میں یائے مجہول اگر بلا اشباع ہو وہ فاع کے وزن پر ہوگی ۔ اگر بہ اشباع ہو تو فعلن کے وزن پر مگر ان دونوں صورتوں میں یائے مذکور پر رسم الخط میں شوشہ بحالت اشباع نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ یائے مجہول بہ اشباع بروزن فعلن ایک ہی طرح لکھی جاتی ہے ۔ اشباعی حالت میں صرف اسے کھینچ کر پڑھتے ہیں اور بس ۔ لہٰذا وہی قاعدۂ اشباع اردو الفاظ میں جاری رہے گا ۔ یائے مجہول بلا اشباع اور بہ اشباع ذیل کی مثالوں سے واضح ہے :۔

"پائے مرا لنگ نیست"

یہاں "پائے" میں یائے مجہول بلا اشباع بروزن فاع ہے

"بجائے بزرگاں نشستن خطاست"

اس مصرع میں بجائے کے آخر یائے مجہول بہ اشباع ہے اور "بجائے" فَعُوْلُن کے وزن پر ہے ۔ لیکن یہ اشباع صرف تلفظ میں ظاہر ہوگا یعنی کسرہ کھینچ کر پڑھا جائے گا ۔ (کوئی مکتوبی علامت) شوشہ وغیرہ یاے مذکور پر نہ دیا جائے گا اور مشبع اور غیر مشبع دونوں یائیں ایک ہی طرح لکھی جائیں گی ۔

چنانچہ الفاظ اردو میں بھی اسی کا تتبع کیا جانا چاہیے ۔ کیونکہ مصادر اُردو سے علامتِ مصدر نا حذف کرنے کے بعد صیغہ واحد امر حاضر بنتا ہے اور اس پر یاے

مجہول بڑھا دینے سے صیغہ واحد غائب اور صیغہ واحد حاضر مضارع بن جاتے ہیں ۔ جیسے مصدر ، آنا سے (نا) علامتِ مصدر دُور کرنے کے بعد (آ) صیغہ واحد حاضر امر بن جاے گا ۔ اور جب اس پر یاے مجہول بڑھائی جاے تو صیغہ مضارع واحد غائب اور واحد حاضر دونوں بن جائیں گے ۔ متقدمین میں یائے مجہول کے پہلے مضارع میں واؤ بھی بڑھا دیتے تھے ۔ اور آئے کو آوے لکھتے تھے ۔ مگر متاخرین میں قطعاً یہ متروک ہے۔ ممکن ہے کہ جو لوگ یائے مجہول مشبع پر شوشہ لگاتے ہیں ۔ ان کے خیال میں یہ ہو کہ وہی (واؤ) (ی) کی صورت میں بدل کر دوسری (ی) کے لباس میں نمودار ہوا ہے ۔ مگر یہ توجیہ بالکل ضعیف اور ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہے ۔ درحقیقت اشباع کسرہ پر ان کو دوسری (ی) کا دھوکا ہوتا ہے ۔

کثرت رائے اسی قول کی موید ہوتی ہے اور حکیم سید ضامن علی جلال لکھنؤی مرحوم نے بھی اپنے رسالہ افادہ التاریخ میں بھی یہی لکھا ہے ۔ قولِ فیصل تو یہی ہے ۔ لیکن اگر کبھی کوئی سخت ضرورت اس قسم کی پڑ جائے کہ کوئی عمدہ مادۂ تاریخ یاے مجہول مشبع کے بیس عدد شمار کرنے سے کسی اردو لفظ میں پورا ہوتا ہو ۔ تو ایسی حالت میں یاے مجہول مشبع کو اردو لفظ میں شوشہ دار لکھنا بکراہت جائز سمجھا جائے گا ۔ اور اسے گویا (Poetical Licence) سمجھنا چاہیے ۔ ورنہ بر بنائے قواعد صرفی یائے مجہول کو بحالتِ اشباع بیس عدد شمار کرنا جائز نہیں ۔ چند مصرع ہاے تاریخ ملاحظہ ہوں ۔

امیر مینائیؔ

ع گل کھلائے یہ داغ نے کیسے (۱۲۹۶)

وسیم خیر آبادی

ع لبِ تسنیم کوثر آئے آئے (۱۳۴۰)

(دوسرا آے بروزن فعلن ہے)

رحمت تلمیذ حضرت داغ

ع لکھ درختِ امید پھل لائے (۱۳۳۷)

جویا مراد آبادی مؤلف خیابانِ تاریخ

ع مہاراجہ تشریف لائے کہا (۱۲۸۶)

صفی لکھنوی

ع ہے بہشتِ عنبریں جائے نفیس (۱۳۱۸)

عزیز لکھنوی

ع جلوہ وارد روئے سلمائے سخن (۱۳۲۰)

مذکورہ مصرع ہائے تاریخ میں یائے مجہول بہ اشباع ہے ۔ کسی بزرگ نے ایسی یا کو دو تحتانی کے برابر شمار نہیں کیا ۔ یائے مجہول بلا اشباع کی چند مثالیں دیکھئے :۔

فصیح الملک داغ دہلوی	ع	قصرِ عالی پائے جنت میں امیر	(۱۳۱۸)
امیر مینائی	ع	اقبال کے ساتھ عمر افزوں پائے	(۱۳۱۰)
وسیم خیرآبادی	ع	نہ آپ خاک فشاں ہوں یہ ہیں نہائے ہوئے	(۱۳۴۸)
صفی لکھنوی	ع	آئے ظلِ اللہ اعلیٰ ہے یہ جشنِ قیصری	(۱۹۱۱)

کہیں کہیں اساتذہ نے یائے بطنی کے بھی عدد لئے ہیں ۔

ساز گار آئے الٰہی متفق لیل و نہار ، (۱۳۰۸)

یہاں آئے بروزن فعلن ہے یعنی یائے مجہول بہ اشباع ہے ۔ اس اشباع سے ایک اور یا پیدا ہو گئی اس کو یائے بطنی کہتے ہیں ۔ تقطیع میں اس کا شمار ہو گا ۔ مگر تاریخ میں اس کا کوئی عدد نہ لیا جائے گا ۔ یہ مصرع تاریخ

ع احسن نے دیا وائے ہمیں داغ جدائی (۱۳۵۹)

یہ مصرع تاریخ جناب سعید نجیب آبادی کا ہے انہوں نے (جدائی) کے عدد (۲۸) لئے ہیں جو صحیح ہیں ۔ لیکن (وائے) کے عدد تو (۱۷) ہوتے ہیں لیکن انہوں نے (۲۷) لئے ہیں ۔ یہ فن تاریخ کے مسلمہ قواعد کے خلاف ہے ۔

اردو میں جب دو تحتانی مکتوب ہوتی ہیں ۔ تو اس وقت دونوں کے عدد شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً

واقف شاگرد اسیر لکھنوی ۔

ع قطرہ بھی تو جناب یتیموں کو بھیجئے (۱۳۵۵)

لسان القوم صفی لکھنوی ع قبر ہے آہ اس جگہ پر فاتحہ پڑھ دیجئے (۱۳۵۲)
جناب دلکش اپنے استاد جمیل وارثی کی وفات پر فرماتے ہیں ۔ ع
نیک تھا لکھنئے جمیل وارثی (۱۳۵۱)
(لکھنئے) کے عدد (لکھے) کے برابر شمار کئے گئے ہیں جو معیوب اور غلط ہیں ۔

منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت جھنجھانوی نے مصباح القواعد کی تاریخ اشاعت لکھی ہے ۔

کرے گی چار سو عالم میں ظاہر
نئے انداز مصباح القواعد

۱۹۰۴ = ۴ × ۴۷۶

یہ تاریخ نئے انداز کی ہے اور یہ طرز منشی حبیب حسن صاحب وحشی دیوبندی کے اُس مشہور قطعۂ تاریخ سے لی گئی ہے جو انہوں نے حضرت امیر مینائیؒ کے دیوان صنم خانۂ عشق کی اشاعت پر کہی تھی ۔ ان کا مصرع تاریخ ہے ۔

یہ آنے لگی چار سو سے صدا
نیا ہے کلام جناب امیر

۱۸۹۶ = ۴ × ۴۷۴

جناب وجاہت کی تاریخ نہایت قابلِ قدر ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے (نئے) کے ساٹھ عدد شمار کئے ہیں حالانکہ نئے پر جو ہمزہ ہے یہ یاے تحتانی ہی کی بدل شدہ صورت ہے ۔ اس کے بھی دس عدد شمار کرنا ضروری تھے ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو افادہ التاریخ حضرت جلال لکھنوی "لئے ۔ کئے ۔ گئے نئے کی یاے مجہول کے بیس عدد لئے جائیں گے ۔ اس واسطے کہ یہ بولی بھی مکرر جاتی ہے اور کتابت میں بھی مکرر آتی ہے ۔"

سہ یاے تحتانی کی مثال بھی اردو میں موجود ہے ۔ یہ تینوں تحتانیاں مکتوب ہوتی ہیں پہلی الف یاواؤ ساکن کے بعد آتی ہے اور متحرک رہتی ہے اور لہجہ میں ہمزہ کی آواز دیتی ہے۔ دوسری بھی متحرک ہوتی ہے ۔ البتہ تیسری ساکن آتی ہے جیسے آئیے ۔ دھوئیے بروزن فَاعِلُنَ ۔ یہ تینوں تحتانیاں مکتوب ہوتی ہیں لہٰذا تینوں

کے عدد لئے جائینگے ۔

صفی لکھنوی ع ہے شاہ کربلا کا عزا خانہ آئیے (۱۳۶۰)

آئیے میں تین تحتانیاں شمار ہوئی ہیں ۔

جن حضرات کی نظر (قواعد رسم الخط) نیز (قواعد تجوید) پر نہیں وہ یاے معروف ہمزہ وار کے متعلق ایک حسین مسامحت میں مبتلا ہیں ۔ ان کا یہ خیال ہے کہ قواعد جمل میں ہمزہ کا کوئی عدد مقرر نہیں اس لئے گدائی ۔ جوائی۔ مینائی ۔ روئی ۔ کتخدائی وغیرہ الفاظ میں ایک (ی) شمار کرنا چاہیے ۔ یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے ۔ مثلاً ازروے رسم الخط دو (ی) جب لکھی جائینگی جن میں پہلی متحرک اور دوسری پوری جیسے (یی) ۔ کیی میں چونکہ ی ی زیر (یِی) کا تلفظ سماعت پر گراں گزرتا ہے ۔ اس لئے پہلی (ی) کو الف متحرک یعنی ہمزہ کی آواز سے بروئے قواعدِ تجوید بدل دیا گیا ۔ لیکن عدد اس کے وہی رہے جو (ی) کے ہیں ۔ دو (ی) جب لکھی جائینگی پہلی متحرک (ی) کا شوشہ ضرور ہوگا ۔ اور اس کی آواز الف متحرک کی سی یعنی (اِی) کی طرح ہوگی ۔ مثلاً آئی کے اکیس عدد شمار کرنے کی یہ وجہ ہے ۔ کہ آئی کے رسم الخط میں ایک (ی) کا شوشہ اور دوسری (ی) کا دامن یعنی (ئی) لکھا جاتا ہے ۔ آئی میں یائے معروف ہے ۔ یائے معروف جب کسی لفظ میں الف یا واؤ کے بعد آئیگی ۔ مثلاً آئی ۔ لائی ۔ خدائی ۔ رعنائی ۔ ہوئی ۔ موئی ۔ سوئی ۔ بوئی ۔ کھوئی وغیرہ اس قسم کے الفاظ میں ہمزہ کے عدد نہیں لئے جاتے بلکہ اُس (ی) کے لئے جاتے ہیں۔ جو (ء) کے لباس میں نمودار ہوتا ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

امام الفن جلیل ع ایک انگوٹھی ہاتھ آئی شاہ سے (۱۳۳۱)

حکیم برہم تلمیذ امیر مینائی ع رنگِ مینائی میں ہر اک شعر ہے ڈوبا ہوا (۱۳۲۷)

لسان الملک ریاض ع کے سی۔ آئی ۔ ای لقب سر راجہ کیواں مرتبت (۱۹۲۲)

وسیم خیر آبادی ع وسیم ازروے الحمد اللہ

۱ ۔ افادۂ تاریخ ص ۲۹

یہ لکھ دیں ۔ مبارک ہے یہ کتخدائی (۱۳۳۹)

۱+۱۳۳۸

جوش ملسیانی تلمیذ داغ دہلوی ع حسنِ معنی کی تجلی نظر آئی کیا کیا (۱۹۹۴ب)

چند ایک اور تاریخیں ملاحظہ ہوں جہاں شوشہ (ی) کے لباس میں کتابت ہوا ہے ۔

ریاض خیر آبادی ع ہوئیں زیب النساء زینتِ خلد (۱۳۳۶)

آقا طہماسپ قلی ع بعد تزئین لوح محمل شاہ (۱۰۴۳)

ولا حیدر آبادی ع کتخدا ہو گئے الطاف حسین (۱۳۲۵)

ام التواریخ از فرحت دہلوی ، گنجینۂ تاریخ از رعد حیدر آبادی ، گلبنِ تاریخ از الم حیدر آبادی ، آئینہ تاریخ از شائق ، زنبیل تاریخ از تسلیم سہوانی ، گلشنِ خیال از مولوی محمد سعید اور کان تاریخ از منشی رام پرشاد مجموعہ اعداد کی یہ ڈکشنریاں بہت محنت سے تالیف کی گئی ہیں ۔ مگر افسوس ہے کہ ان میں تحتانی کا کوئی خاص اصول پیش نظر نہیں رکھا گیا ۔ ان کتابوں میں دو رنگی اور دو عملی کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں ۔ (آئی) کے گیارہ عدد بھی لئے ہیں اور اکیس بھی اصول ایک ہونا چاہیے ۔ دو رنگی کی یہ مثالیں کسی کے لئے قابل سند نہیں ہو سکتیں ۔

☆ ☆ ☆

زُبُرو بیّنات

حروف ابجد یعنی حروف تہجی عربی میں اٹھائیس ۲۸ ہیں ۔ حرف کیا ہے ؟ ہر آواز کی علامت ۔ مثلاً ہمزہ یا الف متحرک وہ آواز ہے ۔ جو حلق سے نکلتی ہے ۔ اس کی علامت ا ہے ۔ اور اس علامت کا نام الف ۔ لہذا (ا) موسوم اور الف اسم ہے ۔ یہی حالت کُل حرفوں کی ہے ۔ اور ہر موسوم اپنے اسم کی ابتدا میں ضرور آئے گا ۔ مثلاً لفظ الف کے پہلے الف ہی ہے ۔ اور یہی صورت آپ اٹھائیسوں حروف میں پائیں گے ۔ اب ان حروف کے اسما دو طرح کے ہیں ۔ کچھ دو حرفی کچھ سہ حرفی ۔ مثلاً با ۔ تا ۔ ثا ۔ حا ۔ خا ۔ را ۔ زا ۔ طا ۔ ظا ۔ فا ۔ ہا ۔ یا ۔ بارہ حروف دو حرفی ہیں ۔ اور الف ۔ جیم ۔ دال ۔ زال ۔ سین ۔ شین ۔ صاد ۔ ضاد ۔ عین ۔ غین ۔ قاف ۔ کاف ۔ لام ۔ میم ۔ نون ۔ واو ۔ سولہ حروف سہ حرفی ۔

اسمائے حروف اپنے موسوم سے شروع ہوتے ہیں ۔ یعنی الف کے پہلے الف ہو گا ۔ با کے پہلے ب ۔ اسی طرح کل حروف کے اسما ہیں ۔ اسمائے حروف کے پہلے حرف کو زُبر اور باقی ایک یا دو حرف جو رہیں انہیں فن تاریخ میں بیّنات کہتے ہیں ۔ مثلاً الف میں ا زبر ہے ۔ اور ل ف بیّنات ۔ دو حرفی اسما میں پہلا زبر اور دوسرا بیّنات سمجھا جائے گا ۔ سہ حرفی اسما میں پہلا حرف زبر اور باقی دو حرف بیّنات سمجھے جائیں گے ۔ اس بنا پر اگر تاریخ میں اسمائے حروف کے اعداد میں سے محض بیّنات شامل ہیں ۔ تو با سے یا تک کل دو حرفی اسما کا صرف ایک عدد شمار ہو گا ۔ اور الف کے یعنی لام کے تیس ف کے اسی اسی طرح کل اسمائے حروف سہ حرف کے حروفِ آخر محسوب کیے جائیں گے ۔ اور اگر زبر و بیّنات دونوں کا مجموعہ تاریخ میں شمار کیا گیا ہو تو اسم حروف کے کل عدد شمار میں آئیں گے ۔ مثلاً الف کا پہلا حروف زبر ہے ۔ اس کا ایک عدد لیا جائے گا ۔ اور باقی دو حرف ل ف بیّنات ہیں ۔ ان کے عدد ایک سو دس ہوئے ۔ اور ان دونوں کا مجموعہ ایک سو گیارہ ہو گا ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسمائے حروف میں ہر اسم کا پہلا حرف زُبر اور باقی حرف بیّنات کہلاتے ہیں ۔ زبر وہی حروف ہیں ۔ جنھیں حروف جمل یا حروف ابجد کہتے ہیں ۔ بالعموم تاریخیں زبر میں کہی جاتی ہیں ۔ محض بیّنات یا زبر و بیّنات دونوں کو ملا کر تاریخیں بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں ۔ زبر کو جملِ صغیر اور بیّنات کو جملِ وسیط بھی کہتے ہیں ۔

مثال کے طور پر لفظ علی (اسم گرامی اسد اللہ الغالب) کے اعداد بطریق زبر (ع ۔ ا ۔ ی) ایک سو دس ہیں جو الف کے بیّنات ۱۱۰ کے برابر ہیں ۔ اور اسی اسم مقدس کے بیّنات (ین ۔ ام ۔ ا) کا مجموعہ دو سو بارہ ہوتا ہے ۔ جو درجہ (د ۔ ر ۔ ج ۔ ہ) کے زبر کے برابر ہے ۔

زبر و بیّنات میں تاریخ نکالنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی لفظ کے زبر کو کسی دوسرے لفظ کے بیّنات کے برابر کرکے عدد لیتے ہیں ۔ اس کی مثال فیضی فیاضی کی مشہور رباعی ہے ۔

نورے کی زمہرِ عالم آراپید است	از جبہ شاہنشہِ والا پیدا است
اکبر کہ ز آفتاب دارد نسبت	ایں نکتہ زبیّناتِ اسما پیدا است

محققینِ اہل جمل نے اس رباعی پر خوب اعتراضات کئے ہیں ۔ صاحبِ ملخص تسلیم مذکورہ رباعی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ "در مصرع چہارم رباعی لفظ" اسما" کہ فائدہ جمع می بخشد ۔ خلل انداز است ۔ چون اعداد اکبر در زبر گرفتہ و اعداد آفتاب در بیّنہ آورد ۔ خطا سوئے فیضی ندارم الّا یقین تحریف کاتب است" صاحب معدن الجواہر فرماتے ہیں۔ "از فیضی فیاضی در مصرع چہارم ایں رباعی سہو و تسامح راہ یافتہ ۔ زیرا کہ دریں جا بیّنات اسما نیست ۔ بلکہ زبر یک اسم و بیّنا یک اسم است۔"

میزان التاریخ از موہن لال جانسی کا ایک قلمی نسخہ میں نے سید مسعود حسن صاحب رضوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کے کتبخانے میں دیکھا تھا ۔ یہ کتاب ۱۲۵۶ء کی تالیف ہے ۔ اس میں بھی مذکورہ رباعی پر اعتراض وارد کیے گئے ہیں ۔

لفظ "اسما" کے متعلق جو اعتراض کیا گیا ہے ۔ وہ صحیح نہیں ۔ مصرع چہارم میں "اسما" ہی ہے ۔ اور کوئی کتابت کی تحریف نہیں ۔ معترض صاحبان اسما کو آفتاب کے متعلق سمجھ کر چاہتے ہیں ۔ کہ اسما کی جگہ اسم ہونا چاہئے ۔ مگر در حقیقت علامہ فیضی نے جو مفہوم شعر میں رکھا ہے ۔ وہ واضح ہے ۔

بات یہ ہے کہ حروفِ تہجی کی شکلوں کو مسمیٰ اور ان کے ناموں کو اسم کہتے ہیں ۔ چنانچہ ہر حرفِ ابجد کا نام اسی حرف سے شروع ہوتا ہے ۔ مثلاً ا کا نام الف ہے ۔ تو ا مسمیٰ اور الف اسم ہے ۔ ہر نام کے پہلے مسمیٰ کی شکل ضرور آئے گی ۔ تمام حروفِ ابجد اسی قاعدے کے تابع ہیں ۔

آفتاب میں حروف ابجد جو ہیں ان کے اسما یہ ہیں ۔ الف ۔ فا ۔ تا ۔ الف ۔ با ۔ ان تمام اسموں کے قبل جو حروف ہیں وہ مسمیٰ ہیں ۔ اور زبر کہلاتے ہیں ۔ اور مابعد ان کے جتنے حروف ان اسموں میں ہیں ۔ وہ بینات کہلاتے ہیں ۔ ان کے عدد شمار کر لو ۔ وہ "اکبر" کے زبر یعنی (۲۲۳) کے مساوی ہوں گے ۔ چونکہ آفتاب میں پانچ حرف ہیں ۔ اور ہر حرف کے بینات جوڑے گئے ہیں ۔ لہذا لفظ "اسما" صرف کیا گیا ہے ۔ اگر اس جگہ اسم ہوتا ۔ تو مصرع غلط ہو جاتا ۔

مولانا صہبائی نے بھی اپنی کلیات میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ فرماتے ہیں

اکبر کہ ز آفتاب نسبت وارد

ایں نکتہ ز بینات اسما پید است

بینات اسمائے حروف ہر چہ بعد از ترکِ حروف اول باقی ماند ۔ چون از الف ۔ لف و از با ۔ ا ۔ از صاد ۔ اد و ہم چنیں مراد از بینات اسما ۔ بیناتِ اسمائے حروفِ آفتاب ست ۔ یعنی کہ اکبر کہ نسبت بہ آفتاب دارد و این نکتہ ظاہر شود از بینات اسمائے حروف آفتاب ۔ چہ بنیۂ دو الف دو لف است ۔ بینات فاتا باسہ الف اند ۔ و اعداد مجموعہ ایں دو صد بست و سہ است"۔

علامہ فیضی کی مذکورہ رباعی اپنے اندر جن محاسن کو لئے ہوئے ہے ۔ ان پر نادرا

اعتراضات پردہ پوشی نہیں کر سکتے ۔ افسوس سطحی نظر سے دیکھ کر اعتراض کر دیا گیا ۔ ورنہ یہ رباعی ہرگز ایسے سلوک کی مستحق نہ تھی ۔

گنجینۂ تاریخ جو جناب رعد حیدر آبادی کی ایک وقیع تالیف ہے ۔ اس میں انھوں نے ایک تاریخ نقل کی ہے ۔ جو کسی بزرگ نے جناب جلال لکھنوی کے دیوان کی اشاعت کے موقع پر کہی ہے ۔ مصرع تاریخ یہ ہے ۔

نظم دلکش راحت افزا جانفزا و باوقار

لفظ	بیّنات	اعداد	تشریح
نظم	ون — ا — یم ۵۰ + ۱ + ۵۶	۱۰۷	
دل	ال — ام ۴۱ + ۳۱	۷۲	
کش	اف — ین ۶۰ + ۸۱	۱۴۱	
راحت	ا ۔ لف ۔ ا ۔ الف ۔ ۱ + ۱ + ۱۰۰ + ۱	۱۱۳	
افزا	لف ۔ ا ۔ ا ۔ لف ۔ ا ۱۱۰ + ۱ + ۱ + ۱۱۰	۲۲۲	
جاں فزا	یم ۔ لف ۔ ون ۔ ا ۔ ا ۔ لف ۱۰۰ + ۱ + ۱ + ۵۶ + ۱۱۰ + ۵۰	۳۲۸	
و	او ۷	۷	
با	ا ۔ لف ۱۱۰ + ۱	۱۱۱	

وقار	او - اف - لف - ۱ ۱ + ۱۱۰ + ۸۱ + ۷	۱۹۹	
	مجموعہ	۱۳۰۰	

مولانا عنایت حسین بلگرامی نے ایک بے نظیر تاریخ کہی ہے ۔ صنعتِ اہمال کے ساتھ اس تاریخی مصرع کے اعداد زبر سے بھی اتنے ہی برآمد ہوتے ہیں ۔ جتنے کہ بینات سے یہ تاریخ مصنف کے لیے تمغائے کمال اور ان کی کامل فکر و کاوش پر دال ہے ۔ ایسی تاریخیں شاذ ہی نکلتی ہیں ۔

سردار دہر اہل کمال و مالک و عادل

۱۲۶۹ ہجری

لفظ	حروف زُبُر	اعداد	حروف بیّنات	اعداد
سرو	س - ر - و	۲۶۶	ین ا او ۷ + ۱ + ۶۰	۶۸
سردار	س- ر- د- ا- ر	۲۶۵	ین اال لف ا ۱ + ۱۱۰ + ۳۱ + ۱ + ۶۰	۲۰۳
دہر	د - ہ - ر ۱ + ۱ + ۳۱	۲۰۹	ال ا ا	۳۳
اہل	ا - ہ - ل	۳۶	لف ا ام ۳۱ + ۱ + ۱۱۰	۱۵۲
کمال	ک - م - ا - ل	۹۱	اف یم لف ام ۳۱ + ۱۱۰ + ۵۰ + ۸۱	۲۸۲
و	و	۶	او ۷	۷

مالک	م ـ ا ـ ل ـ ک	۹۱	یم لف ام اف ۸۱ + ۳۱ + ۱۱۰ + ۵۰	۲۸۲
عادل	ع ـ ا ـ د ـ ل	۱۰۵	ین لف ال ام ۴۱ + ۳۱ + ۱۱۰ + ۶۰	۲۶۲
مجموعہ	۱۳۶۹	مجموعہ	۱۲۶۹	

کان تاریخ مؤلفہ جناب رام پرشاد صاحب شاہ جہاں آبادی جو فن جمل کی ایک اچھی تلاش ہے ۔ اس میں مؤلف نے اپنی جدتِ فکر سے ایک اچھا مادۂ تاریخ نکالا ہے ۔ جو تعریف سے بالاتر ہے ۔ قطعہ تاریخ یہ ہے ۔

لکھ چکا جب فروغ یہ کتاب ۔ فکر تاریخ کی ہوئی پیدا
زبر اور بینات میں دل نے ۔ ہیں عجوبہ یہ واقعات کہا
(۱۲۹۲)

پھر فرماتے ہیں ۔

زبر میں منقوط کے دیکھ عدد ۔ بینہ اور زبر میں لو مہملہ
عیسوی سن دونوں ملا کر کہو ۔ غنچۂ امید جہاں کھل گیا
(۱۸۷۵)

حروف منقوط بحساب زبر (غ ن چ ی ج ن ی)

۱۰۰۰ + ۵۰ + ۳ + ۱۰ + ۳ + ۵۰ + ۱۰ = ۱۱۲۶ (مجموعہ)

حروف مہملہ بحساب زبر و بینات

ہا الف میم دال ہا الف

۶ + ۱۱۱ + ۹۰ + ۳۵ + ۶ + ۱۱۱

کاف ہا لام کاف الف

۱۰۱ + ۶ + ۷۱ + ۱۰۱ + ۱۱۱

۷۴۹ مجموعہ

حروف منقوطہ بحساب زبر + حروف مہملہ بحساب زبر و بیّنات

۱۱۳۶ ۷۴۹ = (۱۸۷۵) عیسوی

جناب احسان شاہجہانپوری کی ایک تاریخ ہے فرماتے ہیں

گفت احساں در زبر ہم بیّنہ نوجواں محبوب خان اے آہ مرد

۱۹۰۳ء

حضرت ثاقب لکھنوی نے زبرو بیّنات میں تاریخیں کہی ہیں ۔ چنانچہ کلیات سحر کی تاریخ اشاعت موتیوں سے تولنے کے قابل ہے ۔

یہ بیّنات و زبر بگفتم دو سال ہجری بمصرع نو
یگانۂ فن ۔ بعصر عالی بعقل سعدی بقدس حسّان

زبر (۱۳۲۰ ھ) بیّنات (۱۳۲۰ ھ)

دوسرے قطعۂ تاریخ میں بھی زبروبیّنات سے دو سال نکالے ہیں ۔ ایک بنگلہ اور دوسرا فارسی ۔

دو سالِ تاریخِ بیّنات و زبر بیک مصرع بگفتم
دبیر معنی نگار و موجد ۔ فصیح و نقادِ فن زباندان

بیّنات ۱۳۰۹ (بنگلہ) زبر ۱۳۱۰ (فارسی)

اب ہم ایک اہم نکتہ کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کراتے ہیں ۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ زبر و بیّنات کے قواعد کا تتبع عربی اور فارسی حروف کے تلفظ کے تحت اُردو زبان کی تاریخوں میں نہ ہونا چاہئے ۔ بلکہ اُردو زبان کی تاریخوں میں اُردو ہی کے تلفظ کا اعتبار کیا جائے ۔ اب ہم ان سترہ حروف کا نقشہ ذیل میں پیش کرتے ہیں ۔ جن کا تلفظ اُردو میں عربی و فارسی حروف کے تلفظ کے خلاف ہے ۔

حرف	۱ ب	۲ پ	۳ ت	۳ ٹ	۵ ث	۶ چ	۷ ح	۸ خ	۹ ر	۱۰ ڑ	۱۱ ز	۱۲ ژ	۱۳ ط	۱۴ ظ	۱۵ ف	۱۶ ہ	۱۷ ی
اسم حروف بہ اعتبار تلفظ اردو	بے	پے	تے	ٹے	ثے	چے	حے	خے	رے	ڑے	زے	ژے	طوے	ظوے	فے	ہے	یے
بیّنہ	ے	ے	ے	ے	ے	ے	ے	ے	ے	ے	ے	ے	وے	وے	ے	ے	ے
عدد	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۶	۱۶	۱۰	۱۰

میں نے چند اساتذہ مشاہیر سے مذکورہ مسئلہ کے متعلق دریافت بھی کیا تھا ۔ ان کی آرا بعینہ ذیل میں مندرج ہیں ۔

(۱) مصرع تاریخ اُردو زبان میں ہونے کی صورت میں بھی اردو کے تلفظ پر اعتبار کرکے عدد نہیں لیے جاسکتے ۔ عربی و فارسی ہی کے تلفظ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔ باتا ثا جیم وغیرہ کے عدد لیے جاسکتے ہیں ۔ لیکن بے تے ٹے طوے ظوے وغیرہ کے عدد بر بنائے تلفظ اردو ۱۲ — ۴۱۰ — ۵۱۰ وغیرہ لینا درست نہیں ۔

(امام الفن حضرت جلیل جانشین امیر مینائیؒ)

(۲) قاعدۂ جمل یعنی اعداد حروفِ ابجد کی طرح زبر و بیّنات کا بھی تمام تر تعلق عربی سے ہے ۔ فارسی یا اردو میں اس کی تاسی کی جاتی ہے ۔ اور حروف متشابہ میں انھیں قواعد کی پابندی ہوگی ۔ مثلاً بقاعدہ ابجد کے دو عدد لیے جاتے ہیں ۔ پ فارسی اور اُردو کا حرف ہے ۔ عربی میں نہیں آتا ۔ مگر اس کے بھی دو عدد شمار ہوں گے ۔ اور لغت میں اس کا نام بائے فارسی رکھا گیا ہے ۔ اسی طرح چ کا نام جیم فارسی اور عدداً جیم عربی کے مساوی ہے ۔ ایسے حروف صورتاً یکساں ہوتے ہیں ۔ صرف نقطوں یا کسی دوسری علامت سے ان میں فرق ہوتا ہے ۔ لیکن ازروئے عدد ان مختلف زبانوں کے حروف میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا ۔ لہٰذا

(پ ۔ چ ۔ ژ ۔ گ) کے وہی عدد ہیں جو (ب ۔ ج ۔ ز ۔ ک) کے ۔ اسی قاعدے کے تحت میں آپ ہندی حروف کو بھی سمجھئے ۔ یعنی (ٹ ۔ ڈال ۔ ڑ) کو ان کے ازروئے ابجد وہی عدد شمار ہوں گے ۔ جو (ت ۔ دال ۔ ر) کے ہیں ۔ یہی قاعدہ زبرینات جو اعداد (با ۔ تا ۔ جیم ۔ دال ۔ را) کے گنے جاتے ہیں ۔ بعینہ وہی عدد (بائے فارسی پے ۔ تائے ہندی ٹے ۔ جیم فارسی چے ۔ دال ہندی ڈال ۔ رائے فارسی ژے ۔ رائے ہندی ڑے) کے گنے جائیں گے ۔ اس میں تلفظ اسمائے حروف کے تغیر کو کوئی دخل نہیں ۔ پے کو پا ۔ ٹے کو ٹا ۔ چے کو جیم ۔ ڈال کر دال ڑے کو ڑا ۔ ژے کو ژا قرار دے کر شمار کیجئے ۔

(لسان القوم مولانا صفی لکھنوی؛

(۳) زبر بینات وہ ہے کہ مسمیٰ اور اسم دونوں کے عدد نکال کر تاریخ نکالی جائے ۔ مثلاً (الف) میں ال ف کے عدد اور جیم میں ج ی م کے عدد زبر و بینات ہیں ۔ تاریخ دیوان داغ از ڈاکٹر مہدی حسن صاحب الم

چھپ گیا استاد کا دیوان جب عیسوی تاریخ الم نے یوں کہی
بینات و زبر میں دیکھو عدد گلشنِ بے خارہ ہے دیواں یہی

(۱۸۹۲)

زبرو بینات میں تاریخ نکالنے کی اور ایک صورت ہے کہ کسی لفظ کے زبر کو کسی دوسرے لفظ کے بینات سے برابر کرتے ہیں ۔ فیضی نے اکبر کے زبر کو آفتاب کے بینات سے برابر کیا ۔

اکبر کہ ز آفتاب دارد نسبت
ایں نکتہ زبینات اسما پیداست

اکبر کے عدد بحساب زبر اور آفتاب کے بحساب بینات لیے گئے ہیں ۔ جو ہر ایک (۲۲۳) ہیں ۔ ٹ ۔ ڈ ۔ ڑ کے عدد ت ۔ د ۔ ر کے عدد ہوں گے ۔ اُردو کے تلفظ کو اس میں دخل نہیں ۔

(ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی جانشین داغ)

۴ ۔ زبر و بینات کے سلسلے میں جو نئی بات آپ نے لکھی ہے ۔ اس پر آج تک کسی نے عمل نہیں کیا ۔ لفظ اردو کا ہو یا فارسی کا بینات کے لیے حروف کا تلفظ وہی شمار ہوتا ہے ۔ جسے فارسی تلفظ کہنا چاہئے یعنی ب کو ہمیشہ با محسوب کیا جاتا ہے ۔ بے محسوب نہیں کیا جاتا ہے ۔ زبر و بینات میں متنازعہ حروف ٹ ۔ ڈ ۔ ڑ ہی ہیں ۔ ڈال تو اس جھگڑے سے باہر سمجھئے ۔ باقی ٹ اور ڑ رہ گئے ۔ جب ان کے عدد ت اور ر کے برابر لیے جاتے ہیں ۔ تو ملفوظی صورت میں انھیں ٹائے ہندی رائے ہندی کیوں نہ خیال کیا جائے ۔ اور یہاں فارسی کی ملفوظ صورت کیوں چھوڑ دی جائے ۔ خلاصہ کلام یہ کہ میں ان حروف کو تا ۔ را ہی سمجھنے کے حق میں ہوں ۔ ی کو اردو میں یے بولتے ہیں ۔ مگر زبر و بینات میں یا کے عدد شمار ہوتے ہیں ۔ اگر اردو ہی کا رنگ چڑھانا مقصود ہے ۔ تو ان کے عدد بھی بیس کیوں نہ لیے جائیں ۔ چے ۔ حے ۔ خے ۔ بے ۔ پے ۔ تے ۔ ٹے وغیرہ بھی اس زد میں آئیں گے ۔ گویا دو حرفوں (ٹ ۔ ڑ) کے لیے ان تمام حروف کی ملفوظی صورت بدل جائے گی ۔ اور سابق میں کہی ہوئی تمام تاریخیں غلط ہو جائیں گی ۔

(ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی)

۵ ۔ آپ کے مجتہدانہ سوال کے متعلق جو قبل ازیں کبھی کسی کے اشتغال ذہنی کا مرکز نہیں بنا گزارش ہے ۔ کہ اس تازہ تحقیق کا سہرا ہمیشہ آپ کے سر رہنے والا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ بسیط اور زبر و بینات وغیرہ کا انضباط عرب میں تدوین فن جفر کے وقت تکمیل کی ضرورت کی غرض سے کیا گیا تھا ۔ جس کو فن سیاق و حساب سے کوئی تعلق نہیں ۔ تاریخ گویوں نے اس کو وہاں سے لے کر حساب تاریخ میں داخل کر لیا ۔ جو فارسی میں منتقل ہو کر اُردو میں بھی آگیا ۔ عربی و فارسی کے اسمائے حروف ایک ہیں ۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں ۔ بعض اسما (پ ۔ چ ژ ۔ گ؛ عربی سے زاید ہیں ۔ لیکن اعداد زبر و رسم کتابت وہی ہے ۔ جو عربی و فارسی میں ان کے اخوات کی ہے ۔ اس بنا پر نہ تو پہلے کبھی کسی نے قواعد مروجہ کی خلاف ورزی کی ہے ۔ اور نہ ہی آیندہ کیے جانے کی گنجائش ہے ۔ البتہ اردو ہندی کے بعض اسمائے حروف کی حالت اس سے جداگانہ ہے ۔ خصوصاً اسمائے

حروف مخصوصہ ہندی جن کو تا و دال و رائے ثقیلہ کہا جاتا ہے ۔ اور اعداد اب تک وہی لیے جاتے ہیں ۔ جو اُن کے اخوات عربی و فارسی کے لیے جاتے ہیں ۔ گو قواعدِ اعداد کے لحاظ سے ان کے ساتھ وہی عمل جاری ہے ۔ جو دوسرے حروف کے ساتھ ہے لیکن نظر بر محل تلفظ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ عمل ایک زیادتی ہے ۔ جب اُردو ہندی میں ان کا صحیح تلفظ بے ۔ تے ۔ ٹے ۔ ٹے ۔ ڑے ۔ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ محض اردو ہندی تاریخ میں کورا نہ تقلید کر کے اسمائے مکتوبی و ملفوظی کے اعداد نہ لیں بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی ہٹ دھرمی ہے ۔ گو یہ اصول بہت صحیح ہے ۔ لیکن سو اندھوں میں ایک سو جھلا بھی اندھا ہوا کرتا ہے ۔ اس لیے اگر ایسا کیا جائے تو بوجہ جدّت اس امر کا اعلان و اشتہار کر دینا انسب ہے ۔ پھر کسی اعتراض کی گنجائش بھی نہ رہے گی ۔ اور نہ جواب دہی کی نوبت آئے گی ۔

(حضرت نکہت سہسوانی برادر زادہ حضرت تسلیم سہسوانی)

۶۔ حرف کا تلفظ خواہ وہ حرف زبانِ عربی کا ہو یا فارسی کا ہماری اردو زبان میں جس طرح ہوتا ہو ۔ اُسی کے اعتبار سے بینات تجویز ہونا چاہئے ۔ مانا کہ ث عربی زبان کا حرف ہے ۔ اور عربی تلفظ میں اس کو (ثا) کہتے ہیں ۔ اور فارسیوں نے بھی اس کو (ثا) ہی کہا ہے ۔ لیکن جب اردو میں اس کا تلفظ ثے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کا جمل و سیط یا بینات بلحاظ عربی و فارسی (۱) لیں اور لحاظِ تلفظ اردو (۱۰) نہ لیں ۔ بعض متاخرین کا خیال یہ ہے کہ صرف (ٹ ، ڈ ۔ ڑ) کے متعلق یہ عمل رہے ۔ اس لیے کہ (ٹ ، ڈ ۔ ڑ) زبان اردو کے خاص حروف ہیں اور باقی حروف میں قاعدۂ عربی و فارسی کی پابندی کی جائے ۔ ہم کو اس آخر الذکر گروہ سے بھی اختلاف ہے ۔ اس لیے کہ (ٹ ۔ ڈ, ڑ) اگرچہ اردو کے خاص حروف ہیں ۔ جو فارسی و عربی میں نہیں آتے ۔ لیکن (ت ۔ د ۔ ر) یا اور اکثر حروف کے متعلق یہ نہیں کیا جا سکتا ۔ کہ وہ زبانِ اُردو کے حروف نہیں ۔ اصول ایک اختیار کرنا چاہئے ۔

(شمس العلما نواب عزیز یار جنگ ولا)

اعتبارالملک حضرت دل شاہجہانپوری اور حضرت جگر بسوانی ارشد تلامذہ امیر

۱۔ یہ رائے غرائب الجمل سے نقل کی گئی ہے ۔

مینائیؒ کی آراگرامی بھی حضرت لسان القوم کی رائے کے تتبع میں وصول ہوئی ہیں ۔ جناب سید حسن امام سابق مدیر "ندیم" پٹنہ کی رائے جناب ولا کی رائے کی پیروی میں ہے ۔

فن جمل ایک قدیم فن ہے ۔ جو عربوں میں زمانۂ قدیم سے رائج چلا آ رہا ہے ۔ اس فن سے جب اہلِ فارس روشناس ہوئے تو انھوں نے اس فن کے تمام قوانین بغیر کسی ترمیم و تنسیخ کے عربوں سے لے لیے ۔ اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا ۔ حروف تہجی کی قیمت عددی بھی انھوں نے وہی رکھی جو عربوں نے مقرر کر رکھی تھی ۔ اگرچہ ان کے ہاں عربی حروفِ تہجی سے چند ایک حروف یعنی (پ ۔ چ ۔ گ) زاید تھے ۔ لیکن انھوں نے ان کی کوئی دوسری قیمتِ عددی مقرر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ بلکہ پ کو ب ۔ چ کو ج اور گ کو ک کا ہم عدد سمجھ لیا ۔ اور تاریخیں کہنے لگے ۔ زبر میں بھی انھوں نے عربی قوانین کی متابعت کی اور بینات میں بھی جب یہ فن اردو زبان میں آیا ۔ کیونکہ اُردو نے فارسی کا دودھ پی کر پرورش پائی تھی ۔ اس لیے اُردو کے اکابرین فنِ جمل نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو اس سے پہلے عربی کی تاسی میں فارسی والے کر چکے تھے ۔ اس لیے انھوں نے (ٹ ، ڈ ۔ ڑ) جو خالص اردو زباں کے حروف ہیں ۔ ان کو (ت ۔ د ۔ ر) کا ہم عدد خیال کر کے ان کی قیمتِ عددی وہی مقرر کی ۔ جو عربی و فارسی میں اس سے پہلے مقرر ہو چکی تھی ۔ زبر اور بینات دونوں میں اسی قانون کے ماتحت پیروی ہونے لگی ۔ کیونکہ بینات میں حروف کے تلفظ پر اعداد کا انحصار ہوتا ہے ۔ عربی فارسی حروف کا تلفظ اردو کے چند ایک حروف سے جدا ہے ۔ اسی لیے یہ اختلاف پیدا ہوگیا ۔

صفی ۔ جلیل ۔ دل ۔ جوش ۔ جگر صاحبان کی رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح زبر کی تاریخوں میں عربی حروفِ ابجد کی پیروی کی جا رہی ہے ۔ اسی طرح بینات میں بھی عربی فارسی تلفظ کے اعتبار سے عدد لینا ضروری ہے ۔ مشہور نقاد فنِ جمل حضرت نکہت سہسوانی کی رائے گرامی کے آخری جملوں میں اُردو تلفظ کی سفارش کی بو آتی ہے ۔ جناب ولا اور جناب حسن امام اردو تلفظ کی پیروی کی

زبر وبینات کی تاریخوں میں ضروری خیال کرتے ہیں ۔ لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے ۔ کہ ہمارے جمل کو عربی و فارسی قواعد سے مکمل طور پر آزاد کر دیا جائے ۔ تمام حروف کی قیمتِ عددی جو عربی میں مقرر ہے ۔ اس کی پیروی نہ کی جائے ۔ بلکہ ہر حرف اردو کی علحدہ قیمت عددی مقرر کی جائے ۔ متشابہ حروف کے اعداد بھی عربی و فارسی کے حروف کے اعداد سے مختلف ہوں ۔ اور زبر کی تاریخوں میں بھی قواعد عربی کی پابندی نہ کی جائے ۔ لیکن یہ ممکن نہیں ۔ برسوں سے قواعد عربی ملک میں رائج ہیں ۔ ان سے روگردانی کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مترادف ہے ۔

اردو زبان میں زبر کی تاریخیں تو قواعد عربی کے تحت میں کہی جائیں ۔ اور بینات میں اردو کے تلفظ کا اعتبار کرکے عدد لیے جائیں تو اس سے اس فن کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ۔ مثلاً ہم کو اردو زبان کے ایک لفظ "گھڑی" کی قیمتِ عددی معلوم کرنا ہے ۔ اس کے عدد بینات میں تین طرح سے لیے جاسکتے ہیں ۔

	لفظ	حروف بینات	اعداد
اسمائے حروف کے عدد عربی تلفظ کے اعتبار سے	گھڑی	اف-ا-ا-ا ۱+۱+۱+۸۱	۸۴
اسمائے حروف کے عدد اردو تلفظ کے اعتبار سے	گھڑی	اف-ے-ے-ے	۱۱۱
اسمائے حروف کے عدد عربی اُردو کے تلفظ کے اعتبار سے	گھڑی	اف-ا-ے-ا ۱+۱۰+۱+۸۱	۹۳

وہ افراد جو اسمائے حروف میں عربی تلفظ کی پیروی کے حق میں ہیں ۔ وہ "گھڑی" کے بینات کے اعداد (۸۴) لیتے ہیں ۔ جو اردو تلفظ کی متابعت کے حق میںہیں وہ اس کے (۱۱۱) عدد محسوب کرتے ہیں ۔ اور جو اردو کے مخصوص تین حروف (ٹ ۔ ڈ ۔ ڑ) کے اسمائے حروف میں عربی و فارسی تلفظ کی پیروی ضروری خیال نہیں کرتے اور باقی تمام حروف کے وہی عدد لیتے ہیں ۔ جو عربی فارسی میں لیے جاتے ہیں وہ اس کے (۹۳) عدد شمار کرتے ہیں ۔ یہ اختلاف آخر کیوں ؟ اس

کی وجہ یہ ہے کہ جب تک ہمارے قواعد ایک قانون کے ماتحت نہیں ہوں گے ۔ تب تک اختلاف کی یہ خلیج وسیع ہوتی جائے گی ۔ اس لیے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جب ہمارے ادب کے تمام شعبوں میں عربی و فارسی قواعد کی پابندی کی جا رہی ہے ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ زبروبینات کی تاریخوں میں اس کی پابندی نہ کی جائے ۔ ہاں اگر اردو تلفظ ہی کا رنگ چڑھانا مقصود ہے تو جس طرح حضرت نکہت نے فرمایا ہے اس کا اعلان و اشتہار کر دیا جائے ۔ تاکہ حرف گیری اور جواب دہی کی نوبت نہ آئے ۔

زبروبینات میں بہت کم تاریخیں دیکھنے میں آئی ہیں ۔ چند ایک نمونے ملاحظہ ہوں ۔

جناب بخت جونپوری نے ایک قطعۂ تاریخ سابق نظام دکن کے فرزند کی ولادت پر اردو میں کہا ہے ۔ اور اسمائے حروف کے تلفظ میں عربی و فارسی کے اصول کو مدّنظر رکھا ہے ۔ مصرع تاریخی یہ ہے

کہا بخت نے سنہ زبر بینہ میں

ہے	عالی	نسب	اور	والا	حسب	بھی	
۱۷	۳۲۳	۲۲۹	۳۳۵	۲۰۶	۱۳۲	۲۰	(۱۳۵۲)

جناب جویا مرادآبادی نے ایک نواب کے فرزند کی تولید پر ایک اچھی تاریخ کہی ہے ۔

دیا حق نے فرزند نواب کو کرے کیوں نہ تعریف مریخ اس کی
کہا مجھ سے ہاتف نے صنعت میں جویا سراج سعادت ہے تاریخ اس کی

۱۲۸۲

جناب فرحت سیدی کی وفات پر جناب مولانا عارج مالیگانوی نے مجھے ایک قطعہ تاریخ اسی صنعت میں کہہ کر بھیجا تھا ۔ مصرع تاریخ یہ ہے ۔

سیدی فرحت جواں تھے ناجو

۱۹۴۲ء

میں نے اپنی چچازاد بہن کی تاریخ بھی اسی صنعت میں کہی تھی

دہر فانی سے سکینہ چل بسی　　دل نہ کیوں ہو اس کے غم میں مضمحل
اب زبر کے ساتھ کہیے بینات　　زیب جنت پاک باطن نیک دل

(۱۳۵۱)

جناب عتیق نے استاذی حضرت جلیل کے دیوان اوّل تاجِ سخن کی چند تاریخیں اسی صنعت میں کہی ہیں

شکر خالق را کہ شد تاجِ سخن　　بے مثال و بے نظیر و بے عدیل
سال ہجری در زبرہم بینہ　　ہاتفم گفتہ ز بے نظم جلیل

۱۳۲۹

اور سال ترتیب بھی زبر و بینہ ہی میں کہا ہے ۔

مصنف نے مرتب کرکے دیوان　　زمانے پر بڑا احسان کیا ہے
زبر اور بینہ میں ہے یہ تاریخ　　کہ ۔ یہ دیوان جلیل القدر کا ہے

۱۳۲۷

جناب رعد مولف گنجینۂ تاریخ کی ایک تاریخ ہے ۔

زبرہم　بیناتش　سال　فصلی
شدہ　مطبوع　و　مقبولِ　جہانے

(۱۳۰۵)

جناب مولوی غلام حیدر صاحب ارشد کی ایک تاریخ ہے

ہے بے قدر وفات نمود

تعمیہ محاسن فنِ تاریخ میں سے ہے ۔ اگر مادۂ تاریخ میں کچھ اعداد کم ہوں یا زیادہ ۔ اس کمی یا زیادتی کو خوش اسلوبی سے پورا کرنے کا نام تعمیہ ہے ۔ اگر مادۂ تاریخ سے کچھ عدد کم ہوں تو مورخ معمے کے طور سے جتنے عدد کم ہوں ۔ مادۂ تاریخ میں داخل کرتا ہے ۔ جس سے سالِ مطلوبہ برآمد ہو جاتا ہے ۔ اس کو تعمیۂ داخلی کہتے ہیں ۔ اگر مادۂ تاریخ میں کچھ اعداد زیادہ ہیں ۔ تو مورخ اپنی فکر و کاوش سے ان اعداد کو کسی مناسب طریقے سے کم کرتا ہے ۔ جس سے سال

مطلوبہ شکل آتا ہے ۔ اس کو تعمیۂ خارجی کہتے ہیں ۔ تعمیہ میں مورخ کی استادی ۔ طباعی ۔ فکرو کاوش اور مکمل تلاش کا امتحان ہوتا ہے ۔ مثلاً زبر میں حضرت جلیل کی ایک تاریخ ہے ۔

با ادب کر عرض یہ تاریخ کا مصرع جلیل　　کیا نیا ہے قصرِ شاہی کیا نیا دربار ہے

۱۳۳۴ھ

مصرع تاریخ "کیا نیا ہے قصر شاہی کیا نیا دربار ہے" (۱۳۲۷) اعداد کا حامل ہے ۔ اب سات عدد سال مطلوبہ سے کم تھے پہلے مصرع میں "با ادب" کہہ کہ ادب کے لفظ جس کے سات عدد ہیں کا تعمیۂ داخلی فرمایا ہے ۔

حضرت امیر مینائیؒ کی وفات پر حضرت جلیل فرماتے ہیں

جلیل نے سر بزم عزا یہ پوچھا آج　　وہ کون تھے جنھیں روتے ہیں سارے شیدائی
پڑھا جواب میں اٹھ کر یہ ایک نے مصرع　　امیرِ کشورِ معنی امیر مینائی

۱۳۱۸ھ

استاد جلیل نے "پڑھا جواب میں اٹھ کر یہ ایک نے مصرع" کہہ کر ایک عدد کا نازک سا تخرجہ کیا ہے جو تعمیۂ خارجی کی ایک اچھی مثال ہے۔

جس طرح زبر میں تعمیۂ داخلی و خارجی سے ضرورت پوری کی جاتی ہے ۔ اسی طرح زبروبینات میں بھی اس صنعت سے کام لیا جاتا ہے ۔ جناب فصاحت لکھنوی مرحوم کی ایک تاریخ ہے ۔ جو انھوں نے شاد پیرومیر کی وفات پر کہی ہے ۔ اس تاریخ میں تین عدد کا تعمیۂ داخلی ہے ۔

مُرد افسوس شاعر نامی　　رشکِ سعدی دانوری و ظہیر
اے فصاحت بہ بینات و زبر　　خواست چوں سال اومنِ دلگیر
از سرِ بامِ چرخ گفت سروش
بدہ آہ آہ شاد پیرو میر

جناب شاد پیرومیر کی وفات (۱۳۱۷) ہجری میں ہولی ۔ مادۂ تاریخ کے عدد بطریق زبروبینات (۱۳۱۴) برآمد ہوتے تھے ۔ تین عدد کم تھے۔ جناب فصاحت

ملسیانی　جوش ملسیانی　زبربینہ میں یہ تاریخ طبع کہی ہے بہ سرصبح　باغِ سخن

مرحوم نے از سر بام یعنی بام کا سر (ب) جس کے عدد بطریق زبروبینات تین ہوتے ہیں ۔ تعمیۂ داخلی فرما کر سال مطلوب (۱۳۱۷) حاصل کیا ہے ۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی غور طلب ہے کہ جب مادۂ تاریخ زبر میں ہو تو تعمیہ میں زبر کے قواعد کی پابندی کی جائے گی ۔ اور جب مادۂ تاریخ زبروبینات میں ہو تو زبروبینات کے قواعد کی رو سے تعمیۂ داخلی و خارجی پر عمل کیا جائے گا ۔ یہ نہیں کہ زبر کی تاریخوں میں زبروبینات کے قواعد سے کمی و بیشی کو پورا کیا جائے ۔ اور زبروبینات کی تاریخوں میں زبر کے قواعد پر عمل کر کے تاریخیں کہی جائیں ۔

تعمیۂ خارجی کی ایک مثال ملاحظہ ہو ۔

زبر بینہ میں یہ تاریخ طبع
کہی ہے بے سر صبح باغ سخن

باغ سخن کے اعداد میں سے (ص) کے اعداد کا تخرجہ کیا گیا ہے ۔ تخرجہ کا عمل زبروبینات کے قواعد کے ماتحت ہے ۔ میں نے اپنے عموزادہ یوسف مرحوم کی وفات پر یہ تاریخ کہی تھی ۔

منتظر میں آمد مرحوم کے سب اہالی و موالی خلد میں
بے بہا صنعت میں ہے کسرئ یہ سال پائے یوسف قصر عالی خلد میں

۱۹۴۴ء

مادۂ تاریخ سے "بہا" کے اعداد کا تخرجہ بطریق زبروبینہ کیا گیا ہے۔

جناب ممتاز بنگلوری تلمیذ امیر مینائی کی وفات پر جناب عبدالسبحان صاحب اثیم بنگلوری نے ایک قطعہ تاریخ کہا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

زبر و بینہ میں کہہ دو اثیم آج ممتاز واصل حق ہے

۱۳۶۲ھ

مادۂ تاریخ بہت اچھا اور رواں ہے ۔ لیکن اس کے عدد (۱۳۶۱) برآمد ہوتے ہیں ۔ یہ قطعۂ تاریخ ماہنامہ فصاحت حیدرآباد دکن کے دسمبر ۱۹۴۳ء نمبر میں شائع ہوا تھا ۔

اب ہم ایک معرکتہ الآرا تاریخ کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ تاریخ میرزا دبیر لکھنوی نے خدائے سخن میر انیس لکھنوی کی وفات پر کہی تھی ۔ یہ تاریخ صنعتِ مجمع الاقسام میں ہے ۔ جو مشکل ترین صنفِ تاریخ ہے ۔ میرزا دبیرؔ فرماتے ہیں ۔

سال تاریخش بہ زبروبینہ شد زیب نظم
طورسنیا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

تاریخ گوئی میں صنعتِ مجمع الاقسام اُس صنعت کو کہتے ہیں کہ مصرع تاریخ میں بعض الفاظ کے عدد بطریق زبر شمار کیے جائیں ۔ بعض کے بینات جوڑے جائیں ۔ اور بعض کے زبروبینات محسوب کئے جائیں ۔ چنانچہ فاضل مولف ارمغان میزان التاریخ کے حوالے سے رقم طراز ہیں ۔ (یجوزُفی المعمیٰ و التاریخ ان یوخذا اعداد الحروف بحساب الجمل وان یوخذ بطریق الزبر والبینات وان یوخذ اعداد بعض الکلمات بحساب الجمل و بعضہا بالزبروالبیّنات و یجب ان یشار الیھما بوجہ مالا یلزم خلاف المقصود الیھما (ارمغان صفحہ ۳۲۵) یعنی جائز ہے معمے اور تاریخ میں یہ کہ لیے جائیں اعداد حروف کے بحساب ابجد یا یہ کہ لیے جائیں اعداد بطریق زبروبینات یا یہ کہ لیے جائیں اعداد بعض انھیں کلمات کے بحساب ابجد اور اعداد بعض بطریق زبروبینات اور اس وقت میں واجب ہے کہ اشارہ کیا جائے ۔ انھی دونوں کی طرف کسی اشارے کے ساتھ تاکہ لازم نہ آئے خلاف مقصود اور التباس نہ ہو ۔

مذکورہ صنعت کی بعینہٖ مثال میرزادبیر لکھنوی مرحوم کی زیر بحث تاریخ ہے ۔ فاضل مولف نے اس تاریخ میں بعض الفاظ کے زبر بعض کے بینہ اور بعض کے زبروبینہ محسوب کرکے مختلف طریقوں سے استخراجِ سنین کیا ہے ۔ رسالہ حل التاریخ کا ایک قلمی نسخہ میرے کتبخانے میں ہے ۔ اس سے مختلف سنین کی تشریح ذیل میں نقل کی جاتی ہے ۔

(۱)

الفاظ	عدد
طور کا زبر	۲۱۵
سنیا کا زبر	۱۲۱
بے کا زبروبینہ	۱۴
کلیم کا زبر	۱۰۰
اللہ کا زبر	٦٦
و کا زبروبینہ	۱۳
منبر کا زبروبینہ	۴۰۰
بے کا زبروبینہ	۱۴
انیس کا زبروبینہ	۳۴۸
مجموعہ	۱۲۹۱ ہجری

بقاعدہ دیگر

(۲)

الفاظ	اعداد
طورسنیا کا زبر	۲۳۶
بے کا زبروبینہ	۱۴
کلیم اللہ کا زبر	۱٦٦
ومنبر بےانیس کازبروبینہ	۷۷۵
مجموعہ	۱۲۹۱

(۳)

الفاظ	اعداد
طور سنیا بے کا زبروبینہ	۵۸٦
کلیم اللہ و کا زبر	۱۷۲
منبر کا زبروبینہ	۴۰۰
بےانیس کازبر	۱۳۳
مجموعہ	۱۲۹۱

بقاعدہ دیگر

(۴)

الفاظ	اعداد
طورسنیا کا زبروبینہ	۵۷۲
بے کلیم اللہ کا زبر	۱۸۴

(۵)

الفاظ	اعداد
طورسنیا کا زبر	۲۳٦
بے کا بینہ	۲

الفاظ	اعداد	الفاظ	اعداد
منبر بے کا زبر وبینہ	۴۱۴	کلیم اللہ کا زبر وبینہ	۵۳۲
انیس کا زبر	۱۲۱	ومنبر کا زبر	۲۹۸
		بے کا بینہ	۲
		انیس کا زبر	۱۲۱
مجموعہ	۱۲۹۱	مجموعہ	۱۲۹۱

بقاعدہ دیگر[1]

(۶) الفاظ	اعداد	(۷) الفاظ	اعداد
طور سینا کا زبر	۳۳۶	طور سینا کا زبر	۳۳۶
بے کا بینہ	۲	بے کا زبر وبینہ	۱۴
کلیم اللہ کا زبر	۱۶۶	کلیم اللہ کا زبر	۱۶۶
منبر بے کا زبر	۳۰۴	و کا بینہ	۷
انیس کا بینہ	۲۲۷	منبر کا زبر وبینہ	۴۰۰
		بے کا بینہ	۲
		انیس کا زبر	۱۲۱
مجموعہ	۱۰۳۵ یزدجردی	مجموعہ	۱۰۳۶ ہندی

بقاعدہ دیگر

(۸) الفاظ	اعداد	(۹) الفاظ	اعداد
طور سینا بے کلیم اللہ کا زبر	۵۲۰	طور سینا بے کا زبر وبینہ	۵۸۶
منبر کا بینہ	۱۰۸	کلیم اللہ و کا زبر	۱۴۲

۱- نمبر ۶ میں و غیر محسوب ہے۔

بے انیس کا زبر وبینہ	۳۶۲	منبر کا زبر وبینہ	۴۰۰۰
		بے انیس کا زبر	۱۳۳
مجموعہ	۹۹۰ مہدوی	مجموعہ	۱۲۹۱ ہجری

بقاعدہ دیگر

(۱۰) (۱۱)

الفاظ	اعداد	الفاظ	اعداد
طور کا زبر	۲۱۵	طور سنیا کا زبر وبینہ	۵۷۲
سنیا بے کلیم اللہ کا بینہ	۵۹۵	بے کا بینہ	۲
و کا زبر وبینہ	۱۳	کلیم اللہ کا زبر وبینہ	۵۳۲
منبر کا بینہ	۱۱۰	و کا زبر	۶
انیس کا زبر وبینہ	۳۴۸	منبر بے انیس کا زبر وبینہ	۷۶۲
مجموعہ	۱۲۸۱ فصلی	مجموعہ	۱۸۷۴ عیسوی

بقاعدہ دیگر (۱۲)

الفاظ	اعداد
طور کا زبر	۲۱۵
سنیا کا زبر وبینہ	۳۴۸
بے کا زبر	۱۲
کلیم کا زبر وبینہ	۲۷۴
اللہ کا زبر وبینہ	۲۵۹
و کا زبر	۶
منبر کا زبر وبینہ	۴۰۰

بے کا زبر	۱۲
انیس کا زبر و بینہ	۳۴۸
مجموعہ	۱۸۷۴ عیسوی

مصرع تاریخ کی جو تشریح بارہ طریقوں سے اوپر بیان ہو چکی ہے ۔ ان میں سے چھ طریقوں سے سال ہجری (۱۲۹۱) دو طریقوں سے سال عیسوی (۱۸۷۴) اور ایک ایک طریقہ سے سال فصلی (۱۲۸۱) یزدجردی (۱۰۳۵) ہندی (۱۰۴۶) اور مہدوی (۹۹۰) علی الترتیب حاصل ہوتے ہیں ۔ حل التاریخ میں اور بھی کئی طریقوں سے میرزا دبیر مرحوم نے سال مطلوبہ نکالا ہے ۔ چنانچہ سمت (۱۹۳۱) یزدجردی (۱۲۸۱) فصلی (۱۲۸۱) فارسی (۱۲۴۲) سنکا کائی (۱۷۹۶) اور مہدوی (۱۰۶۶) کے نقشے بھی مع تشریح دیئے ہوئے ہیں ۔ جنھیں میں بوجہ طوالت نظر انداز کرتا ہوں ۔ البتہ حیات دبیر جلد دوم کے صفحہ ۱۴-۱۵ پر ایک نئے طریقے سے استخراج سنین کیا گیا ہے ۔ یہ طریقہ حل التاریخ میں موجود نہیں اس لیے اسے ذیل میں مندرج کیا جاتا ہے ۔

بقاعدہ دیگر

لفظ	اعداد
طور کا زبر	۲۱۵
سنیا کا بینہ	۲۲۷
بے کلیم اللہ کا زبر	۱۱۲
اللہ کا بینہ	۱۹۳
و کا زبر و بینہ	۱۳
منبر بے کا زبر	۳۰۴
انیس کا بینہ	۲۲۷
مجموعہ	۱۲۹۱ عیسوی

اس حساب میں یہ بڑی خوبی ہے کہ زبر و بینہ کی ترتیب قائم رہتی ہے ۔ کیونکہ مصرع تاریخ میں ایک لفظ کے عدد زبر کے طریقے سے اور دوسرے لفظ کے عدد بینہ کے قاعدے سے جوڑے گئے ہیں ۔ اور واو عطف کو زبر اور بینہ دونوں میں شمار کیا گیا ہے ۔ کیونکہ حرفِ عطف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ان الفاظ ما قبل اور ما بعد دونوں کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے ۔ کیونکہ دونوں کو ملاتا ہے ۔ اس لیے اس پر ما قبل اور ما بعد دونوں الفاظ کا حق ہے ۔ اس بنا پر (واؤ) کو زبر و بینہ دونوں طرح سے محسوب کیا گیا ہے ۔

حیات دبیر جلد اوّل میں یہ تاریخ ایک اور طرح سے بھی ملتی ہے ۔ جس کو مؤلف نے کتاب شمس الضحیٰ طبع حسینی اثنا عشری لکھنؤ سے نقل کیا ہے ۔

درسنین عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف	گرچہ طبع بود محزون و مکدر بے انیس
آسماں بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامین	طورسینیا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس
۹۴۵	۹۲۹

+ ۱۸۷۴ء

دونوں مصرعوں کے عدد زبر کے طریقے سے شمار کیے گئے ہیں اور آسماں کے الف ممدودہ کے دو عدد شمار کیے ہیں ۔ کیونکہ متقدمین میں اسی کا رواج تھا ۔ چنانچہ کلیم ہمدانی کی ایک تاریخ ہے ۔

دادایزدبیاد شاہجہان	خلفے ہچو نو گل شاداب
چوں بدس مژدہ آفتاب انداخت	افسرِ خویش برہوا چو حباب
طبع دریافت سالِ تاریخش	رقم زد ۔ آفتاب عالم تاب

درس مادہ بقاعدہ مرقومہ بالا زیادتی یک عدد بود ۔ شاعر بانداختن افسرِ آفتاب اشارت کرد ۔ یعنی مدّے را کہ علامتِ ممدودہ است بہ افسرِ آفتاب استعارہ کردہ انداخت (ملخص تسلیم)

مرزا دبیر کی زیر بحث تاریخ اگرچہ معنوی خوبیوں سے لبریز ہے ۔ اور جو مورخ ہیں ۔ انھیں اس تاریخ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہے ۔ وہ جانتے ہیں کہ اس مادۂ تاریخ کے حاصل کرنے میں کس قدر محنت اور کاوش سے کام لیا گیا ہے ۔ ایک نہیں کئی طریقوں سے ایک ہی مصرع سے مختلف سال مطلوبہ حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ۔ جو لوگ اس کوچے سے آشنا ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک بر محل مادۂ تاریخ کے حصول کے لیے کس قدر دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ بے نظیر اور لاجواب تاریخ اعتراضات سے نہ بچ سکی ۔ چنانچہ افادۂ تاریخ کے صفحہ (۱۰) پر حضرت جلال اور ملخص تسلیم کے صفحہ (۵۶-۵۸) پر حضرت تسلیم سہسوانی نے اعتراضات کیے ہیں ۔ اودھ اخبار (۹-۲۳ فروری ۱۸۷۵ء) میں کسی غیر معلوم شخص نے اعتراضات کیے ہیں ۔ اور ان کے جواب سید محسن علی صاحب شمس وکیل نے ایک رسالہ موسوم بہ "جلوہ نیرنگ" میں دیئے ہیں ۔ ان حضرات نے اس تاریخ پر جو اعتراضات کیے ہیں ۔ ان کا مفہوم یہ ہے ۔

۱۔ زُبر بہ ضمتیں ہے ۔ یہاں بائے موحدہ مصرع اولیٰ میں ساکن ہے ۔

۲۔ ماتمی نظم میں "زیبِ نظم" کہنا مناسب نہیں ۔

۳۔ سال ہندی و فارسی غلط ہیں ۔

۴۔ مادۂ تاریخ میں بے حرف نفی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طور سنیا کے اعداد میں سے کلیم اللہ کے اعداد تفریق کیے جائیں ۔ اسی طرح انیس کے عدد منبر میں سے منفی کیے جائیں ۔ مگر مصنف نے ایسا کرنا ضروری نہیں سمجھا ۔

۵۔ زبر و بینہ کی شرح نہیں بتائی گئی ۔ کسی جگہ کسی لفظ کو زبر مانا ہے ۔ اور کبھی بینہ اور کبھی زبر و بینہ جب تک صاف اشارہ نہ کیا جائے کوئی شخص اس تاریخ کو کیونکہ سمجھے ان وجوہ سے یہ تاریخ سراسر معمےٰ ہے ۔

تشریح سنین جو مذکور ہو چکی ہے ۔ مرزا دبیر نے خود اودھ اخبار میں چھپوا دی تھی ۔ اور پھر حل التاریخ میں اسے محفوظ کر دیا تھا ۔ ایک ہی مصرع کے مختلف کلمات سے بحساب زبر و بینہ مرحوم نے مختلف سنین نکالے ہیں ۔ میں نے تشریحی

عمل کو جانچا اور صحیح پایا ۔ ان سنین (۱۳۰۵) یزدجردی بحذفِ واوِ عطف ہے ۔ جس کا اشارہ فٹ نوٹ میں کر دیا گیا ۔ میر انیس نے ۴ ذی قعدہ ۱۲۹۱ ھ بطابق ۱۵ دسمبر ۱۸۷۴ء بروز سہ شنبہ انتقال فرمایا تھا ۔ اس لیے دوسرے مختلف سال جو میرزا دبیر نے نکالے ہیں ۔ وہ ان سنوں کے مساوی ہیں ۔ صد سالہ جنتری مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ میں (۱۹۳۱) بکرما جیتی اور (۱۲۸۱) فارسی تو ملتے ہیں ۔ لیکن دوسرے سنین جو مذکور ہو چکے ہیں درج نہیں ۔ اس لیے ان کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا ۔ کیونکہ مؤلف کو جو سنہ مطلوب تھا ۔ اس کی تشریح انھوں نے نقشے میں کر دی ہے ۔ اس لیے یہ کہنا کہ کوئی سنہ غلط ہے درست نہیں ۔

چونکہ مصنف نے مادہ تاریخ کے پہلے مصرع میں اجمالاً اشارہ کر دیا ہے کہ سالِ تاریخ کا استخراج بقاعدہ زبروبینہ ہوتا ہے ۔ اور پھر نثر میں ہر سال کا نقشہ بنا کر حل التاریخ میں اس کی تشریح بھی فرما دی ۔ لہذا پانچواں اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا ۔ اگر اس اعتراض سے معترضین کا یہ مطلب ہے کہ اس تشریحی نوٹ کی کل عبارت قطعہ تاریخ کے اندر نظم ہونا چاہیے تھی تو یہ اعتراض ویسا ہی مہمل ٹھہرے گا جس طرح کوئی شخص معترضین سے یہ کہہ دے کہ ان کو تمام اعتراضات عبارت منظوم میں کرنے چاہئیں تھے ۔

چوتھا اعتراض کچھ عجیب سا ہے اس لئے کہ مصنف نے نظم و نثر دونوں میں بالاجمال و بالتفصیل واضح کر دیا ہے کہ استخراج سنین بقاعدہ زبروبینہ ہو گا ۔ اس پر معترضین (بے کلیم اللہ) اور (بے انیس) کے کلمات میں حرفِ نفی (بے) علامت تخرجہ اعداد (کلیم اللہ) اور (انیس) سمجھ رہے ہیں ۔ اور قطعہ تاریخ میں نظماً اس کی صراحت یوں چاہتے ہیں کہ اس مصرع میں حروف نفی (ب) علامتِ تخرجہ نہیں ۔ سبحان اللہ ! اگر کسی مادۂ تاریخ میں کسی متوفی کے متعلق بے مثل ۔ بے بہا ۔ بے عدیل ۔ بے نظیر اس قسم کے توصیفی الفاظ لائے جائیں ۔ اور تخرجے کی نیت سے حرف نافیہ (ب) نہ لایا گیا ہو ۔ تو کیا معترضین کی رائے میں وہاں بھی (بے) سے لفظ ما بعد کا تخرجہ ہی لازم ہو گا ۔ چنانچہ یہ اعتراض بھی بے جان سا ہے ۔ اور کوئی صاحبِ علم اسے تسلیم نہیں کر سکتا ۔ موجودہ دور کے دو چوٹی کے

اساتذہ نے حروفِ نافیہ (ب) کا استعمال تاریخ میں کیا ہے ۔

(۱) نذر دے تاریخ لکھ کر لے جلیل   خسروِ والا گہر کا ہے یہ لعلِ بے بہا(۱۳۲۰)ھ

(۲) سینئے صریر کلکِ صفی سے نوائے تلخ   ٹوٹا ستارہ ۔ قلب فنا ساز بے صدا(۱۹۱۱)ھ

لیکن ان دونوں استادوں نے حرفِ نافیہ (بے) کا استعمال تخرجہ کی ہیئت سے نہیں کیا ۔ اس لیے اعتراض بے وقعت ہے ۔

تیسرا اعتراض کہ سال ہندی و فارسی غلط ہے ۔ بداہتاً خود ہی غلط ہے ۔ وہ اس لیے کہ بقاعدۂ زبروبینہ حسب ہدایت مندرجہ شرح وہی سنہ مصرع سے برآمد ہو رہے ہیں ۔ جو مطلوبِ مصنف ہیں ۔ معلوم نہیں کس بنا پر غلط قرار دیئے گئے ہیں ۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ماتمی نظم میں "زیبِ نظم" کہنا مناسب اور برمحل نہیں ۔ کیونکہ مصنف علام کو اپنے اس مصرع تاریخی کی جو درحقیقت لاجواب ہے ۔ ستائش منظور تھی ۔ اور ان کی نظر میں یہ مادۂ تاریخ محض اس قطعۂ تاریخ بلکہ صنفِ نظم کے لیے باعث زیب و زینت ہے ۔ ممتنع الجواب بر بنائے سنتِ شاعرانہ مصنف کا یہ دعویٰ واقعیت پر مبنی ہے ۔

پہلا اعتراض زبر کے اعراب پر ہے کہ مرزا صاحب نے زُبُر کو زُبَر باندھا ہے اور جناب تسلیم نے زُبُر ضمتیں کے ساتھ دو مصرعے پیش فرمائے ہیں ۔

(۱) تعزیت چوں در زُبُر ہم بینہ جا گرم کرد

تعزیت جا گرم کرد" اردو خیال کو فارسی لفظوں میں ڈھال دیا گیا ہے ۔ تعزیت جا گرم کرد (تعزیت نے جگہ گرم کی) اردو زباں میں بھی یہ فقرہ غیر فصیح ہے ۔ اور فارسی میں "جایافت" یا "جا گرفت" کے مقام پر "جا گرم کرد" محتاجِ سند ہے ۔ یہ تو اُردو زباں کا ویسا ہی ترجمہ ہے جیسا کہ گرگوی کی فارسی (قند قندی) یا چھپکلی کی فارسی (پوشیدہ غنچی) اس بنا پر یہ مصرع نادرست بلکہ غیر فصیح ہے ۔

(۲) شد سخن در بینہ پیرائے آمد در زُبُر

دوسرا مصرع بھی کچھ درست معلوم نہیں ہوتا ۔ بات ہونے کی فارسی (سخن رفتن) ہے نہ کہ سخن شدن اس مصرع میں دوسرا ٹکڑا (پیرائے آمد در زبر؛ ہے ۔ پیرا ۔ پیرائے بمعنی پیراستہ لغت میں آیا ہے ۔ یعنی زینت دہندہ ۔ مجازاً سر تراش (حجام) باغبان وغیرہ کو بھی کہتے ہیں ۔ جو درختوں کی شاخیں چھانٹ کر ہموار

کرتا ہے ۔ یہ لفظ اس مقام پر کوئی معنی نہیں دیتا ۔ اگر اس لفظ کو پیرایہ سمجھیں جس کے معنی زیور اور آرائش کے ہیں ۔ تو اس کا استعمال فارسی زباں میں کردن ۔ بستن ۔ افشاندن ۔ پوشیدن ۔ سنجیدن کے ساتھ آیا ہے ۔ آمدن کے ساتھ فصحا کے ہاں مستعمل نہیں ۔ لہذا یہ بھی بے موقعہ ہے ۔

عربی کا مقولہ ہے "یجوز الشاعر ماحولا یجوز لغیرہ" یعنی ہر زبان کے شعرا کو شاعرانہ اختیارات دیئے گئے ہیں ۔ چنانچہ عربی میں بھی عندالضرورت دس اختیارات دیئے گئے ہیں ۔ ان ہی میں سے ایک اختیار کو شدید ضرورت کی حالت میں مصنف نے صرف کیا یعنی سہ حرفی لفظ کے حرفِ دوم کی حرکت کو سکون سے بدل دیا ۔ اساتذہ عجم نے بیشتر ایسا کیا ہے ۔ مثلاً شفقت کو شفقت اور خجلت کو خجلت تو مصنف نے کونسی خلافِ قاعدہ بات کی ہے۔

تسکین ، تحریک ، تخفیف ، تشدید ، تجرید ، ابدال ، ادغام ، اشباع ، امالتہ ، اضافہ ۔ ان سب کی مثالیں اساتذہ کے کلام میں بکثرت ملتی ہیں ۔ مثلاً حیواں بالتحریک بمعنی زندہ بودن و زندگانی ہے ۔ بمعنی جاندار مجاز ، لیکن اہل فارس دونوں معنی میں اس لفظ کو بیشتر بہ سکون یا استعمال کرتے ہیں ۔ جیسے مصرع میں

آبِ حیواں در دن تاریکیست (سعدی)

چوں زہاد ریاضت پیشہ شحنۂ عدلش ۔ ہز بروشیر را پرہیز فرماید زحیوانی
(طالب آملی)

کند چو شیخ ز حیوانی آنقدر پرہیز بحیرتم کہ چرا در لباس پشمیں است
(محتشم کاشی)

ان مثالوں میں حرفِ متحرک کو شاعر نے ساکن استعمال کیا ہے ۔

اسی طرح ذیل کی مثالوں میں حرف ساکن کو متحرک اور مشدد استعمال کیا ہے ۔ لفظ شفقت لغت میں بفتح اوّل و سکونِ ثانی ہے ۔ اور حرف قاف غیر مشدد ۔ لیکن اساتذۂ عجم نے اس لفظ کو بفتحات نیز بہ تشدید قاف استعمال کیا ہے ۔ مثلاً

از تغافل جگرم سوخت ندانم آخر   کہ سزاوار عتاب و شفقت خواہم شد (میر نجات)

سر بلندی آرزوداری شفقت پیشہ کن   کاین علم را ریزش باراں احساں پرچم است (واعظ قزوینی)

لہذا مرزا دبیر مرحوم جو ایک مستند اور مسلم الثبوت اور شاعری کے استاد تھے ۔ اگر انھوں نے زُبُر کو زُبر از تصرفاتِ شاعرانہ نظم کیا ہے ۔ تو کونسی قباحت لازم آتی ہے ۔ زُبرِینہ سے زُبُروِینہ میں زیادہ تر سلاست ہے اور اس طرح یہ مرکب زیادہ مترنم اور خوش آئند ہے ۔

مخلص تسلیم میں تو زُبُر پر اعتراض کیا گیا ہے ۔ لیکن مخلص تسلیم کا ترجمہ جب ساحر سہسوانی نے اردو میں ملہم تاریخ کے نام سے کیا تو اس اعتراض کا جواب فٹ نوٹ میں اس طرح دیا ہے کہ زبر بہ سکون بھی ہے اور منتہی الارب کا حوالہ دیا ہے ۔

جب مذکورہ مادۂ تاریخ پر اعتراض کئے گئے ۔ تو جناب حاتم علی مہر شاگرد غالب مرحوم نے اس کے جواب بڑی قابلیت سے لکھے ۔ اس رسالہ کا نام بھی "طورسینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس" ہے ۔ صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں ۔

"افتخار الشعرا ۔ سخنور یکتا عطارد بے نظیر جناب سلامت علی دبیر نے جو تاریخ صاف بیان سلیس و طبع نفیس میر بیر علی انیس کے انتقال کے بقاعدہ زبروینہ کمال جدت کے ساتھ فرمائی ۔ اس کے سمجھنے میں نابلدانِ کوچۂ تحقیق کو انتہا کی پریشانی ہوئی ۔ کہ آخر سمجھانے کی نوبت آئی ۔ تو سید بادشاہ علی متخلص بہ بقا امین میر وزیر علی صاحب صبا اسکنہ اللہ فی الجنت الماوا خویش میرزائی مغفور نے اس کی کیفیت واقعی نا واقفوں کے ذہنوں پر حالی کرنے کو طریقۂ سوال و جواب ایجاد کیا ۔ اور افہام و تفہیم نکات و غوامض سے طبیعتِ متردوین کو شاد کیا ۔"

غرائب الجمل کے فاضل مؤلف نے معترضین کے متعلق ایک چھبتا ہوا فقرہ لکھا ہے ۔ "جن حضرات نے اپنی تالیف میں اس کو بگاڑ کر دکھایا ہے ۔ انھوں نے اپنی تالیف کی عزت گھٹائی ۔ خدا ان کو بخشے ؟ غرائب الجمل صفحہ ۲۲۸)

حاصل کلام یہ کہ جو اعتراضات مادۂ تاریخ پر کیے گئے ہیں ۔ وہ قطعاً قابلِ اعتنا

نہیں ۔ بالکل بے جا ہیں ۔ مرحوم کا قطعہ تاریخ بالخصوص مصرع مادہ بلاشبہ الہامی ہے اور مصنف کی خوش نیتی اور متوفی کے برکات روحانی کا نتیجہ ہے ۔

فن جمل میں بقاعدہ زبروبینہ ایسا بے مثل مادۂ تاریخ دیکھا نہیں گیا ۔ چونکہ مداح و ممدوح دونوں پاک نفس ذاکر آل عبا تھے ۔ لہذا ان کی دینی خدمات کا یہ بیش بہا عطیہ ہے ۔ اعتراضات کی وجہ اس کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ معترضین کے دامن میں ایسا کوئی گوہر گرانما یہ نہیں ۔ ان کی کتابیں اس قسم کی بے نظیر اور لاجواب تاریخوں سے خالی ہیں ۔ بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ انھوں نے تمام عمر میں کوئی تاریخ اس پایہ کی کہی ہی نہیں ۔ آخر میں ناقدرشناسوں کی حالت پر افسوس کے سوا اور کیا لکھوں ۔

ہوئی کے عدد

فنِ جمل میں "ہوئی" کے عدد دو طرح سے دیکھنے میں آئے ہیں ۔ مؤرخین کی ایک جماعت "ہوئی" کو بغیر ہمزہ کے کتابت کرتی ہے اور اس کے عدد (۲۱) شمار کرتی ہے ۔ ان کا قول ہے کہ "ہوئی" چونکہ "ہوا" کی تانیث ہے اس میں الف کے بدل (ی) آئی ہے ۔ لہٰذا ایک ہی (ی) کا محسوب ہونا مناسب ہے ۔ وہ لفظ "ہوئی" میں ہ ۔ و اور ی تینوں حروف کی ہستی کے قائل ہیں ۔ مثال کے طور پر چند تاریخیں ملاحظہ ہوں ۔

اسیر لکھنوی	ع	خواجۂ عالم ارواح ہوی جانِ وزیر	(۱۲۷۰)
امیر مینائی	ع	اقبال شاہ سے ہوی صحت وزیر کو	(۱۳۱۰)
جناب صفا	ع	واہ کیا خوب یہ تالیفِ ولاطبع ہوی	(۱۳۳۶)
لطافت لکھنوی		حرفِ منقوط سے تاریخ لطافت نے لکھی	
		شمع خاموش ہوی مجمع پروانہ گیا	(۱۲۷۵)
جوہر مراد آبادی	ع	اب صفای ہوی حضور سے کہہ	(۱۲۸۹)
لسان الملک ریاض	ع	گُل ہوی بادِ اجل سے شمعِ ایوان خلیل	(۱۲۳۰)

حضرت دل شاہ جہان پوری اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں راقم الحروف کو تحریر فرماتے ہیں "شاعر ہر صنف میں آزاد ہے ۔ مگر تاریخ گوئی میں مجبور ایک عدد کی کمی بیشی سے تمام کوشش رائیگاں جاتی ہے اس نقطۂ نظر سے بعض تاریخ گو یوں نے کوئی مادۂ تاریخ نکالا اور اس میں لفظ "ہوئی" آگیا تو انھوں نے اپنی ضرورت کے لحاظ سے عدد لے لئے ہر رائے میں توجیہ ممکن ہے ۔ جو لوگ ہوئی کا املا "ہوئی" لکھتے ہیں ۔ وہ دو (ی) کے قائل ہو گئے ۔ کیونکہ ضرورتِ اعداد نے توجیہ کے ساتھ ان کا یہی مسلک قرار دے دیا ۔ جو لوگ ہوئی میں ایک (ی) تسلیم کرتے ہیں وہ دو (ی) تسلیم نہیں کرتے ۔ تاریخ گوئی میں اکثر اساتذہ کو مجبور دیکھا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے وہ مادۂ تاریخ ایک ٹکڑے میں پورا کرتے ہیں ۔ میرا ہر مادۂ

تاریخ آپ ایک مکمل مصرع میں پائیں گے ۔ میرا مسلک یہ ہے کہ لفظ ہوا میں (یا) نہیں لہٰذا اس کو تانیث کیا تو ہمزہ کے ساتھ دوسری (ی) کہاں سے پیدا ہو گئی ۔ جب مذکر میں یا نہیں ۔ لفظ گیا میں بحالت تذکر یا ہے لہٰذا اس کو تانیث کی حالت میں (گئی) لکھ کر دو تسلیم کرنے کی ایک توجیہ ہے ۔ میرے خواجہ تاش سید مختار احمد صاحب مختار بھی ہوئی میں بصورت املا "ہوئی" دو (ی) تسلیم کرتے ہیں ۔ فنی اعتبار سے اختلافِ آرا چلا آتا ہے اور چلا جائیگا یہ کوئی عیب نہیں ۔ "ہوئی" کے اعداد میں آپ امیر علیہ الرحمتہ کی تقلید کیجیے گا ۔ میں بھی استاد اعلی اللہ مقامہ کا مقلد ہوں "۔

مذکورہ مصرع ہائے تاریخ اور اعتبار الملک حضرت دل قبلہ کی رائے گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ (ہوئی) کے اکیس عدد محسوب ہونا چاہیے ۔ "ہوئی" سے "ہوئیں" جمع کا صیغہ ہے اور اس کے اعداد بھی دو طرح سے شمار کئے جاتے ہیں جو حضرات ہوئی میں ایک (ی) کے قائل ہیں وہ ہوئیں کا املا ایک ہی یا سے "ہویں" لکھتے ہیں اور اس کے عدد (۷۱) محسوب کرتے ہیں ۔

امام الفن جلیل

نیک دل خاتونِ کسریٰ تھیں جو آہ!
دہرے سے رخصت وہ معصومہ ہویں
سال ہے یہ ان کی رحلت کا جلیل
داخلِ فردوس مرحومہ ہویں

۱۳	۶	۵۵

دوسرا گروہ "ہوئی" میں دو (ی) کا قائل ہے ۔ اُن کا نقطۂ خیال دقیق ہے کیونکہ "ہوئی" از روے رسم الخط دو (ی) ہیں ایک شوشے کی صورت میں جو ہمزہ کی آواز دے رہی ہے اور دوسری دائرے کا شکل میں یا معروف ساکن ان کے نزدیک یہ استدلال کہ ہوا کا الف بدل کر (ی) ہو گیا ہے لہٰذا ایک ہی (ی) شمار میں آنا چاہئیے ۔ خلاف اصول رسم الخط ہے ۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ان لفظوں میں جن کی آخر میں الف یا واؤ (معروف خواہ مجہول) ہو جب یا معروف ساکن بڑھائی جائے گی ۔ جیسے

آئے آئی ۔ سو سے سوئی (جس میں واو مجہول) ہے سوئی بمعنی سوزن (جس سے واؤ معروف) ہے ۔ اسی طرح کھوئی ۔ دوئی ۔ روئی ۔ ہوئی ۔ سب الفاظ لکھے جائیں گے ۔ ان میں پہلی (ی) جو متحرک ہے یعنی مکسور اور ہمزہ کی آواز دے دی ہے ۔ "یا ے وقایہ" ہے ۔ لہذا بلحاظ کتابت دونوں کے عدد لئے جائیں گے ۔

رسم الخط نستعلیق نیز قواعد صرف کی رو سے جب دو (ی) لکھی جائیں تو ان کو "یی" کی شکل میں لکھنا چاہیے اور اسی لیے از روئے قواعدِ فن تاریخ گوئی یہ لازم آئے گا کہ ان دونوں تحتانیوں کے عدد شمار کئے جائیں اور "ہوئی" کو "ہوی" لکھنا خلافِ رسم الخط نستعلیق بھی ہے اور خلافِ قواعدِ صرف بھی ، کیونکہ جوالفاظ الف یا واؤ پر ختم ہوں ان کے آخر میں جب یاے ساکن لگائی جائے گی تو مابین واؤ اور (ی) کے شوشہ یاے وقایہ کا اضافہ کرنا ضروری ہوگا ۔ جو ہمزہ کی آواز دے گا ۔ جیسے ہو (صیغۂ واحد حاضر امر معروف) سے جب صیغہ واحد مونث غائب ماضی مطلق بنائیں گے تو یاے ساکن تانیث اس کے آخر میں اضافہ کرنے کے لئے قبل اس (ی) کے ب یاے وقایہ کا لانا ضروری ہوگا اور وہ (ی) ہمزہ کی آواز دیتی ہوگی ۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ایک نئی دلیل "ہوئی" کی کتابت کے متعلق سل فرمائی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ہونا مصدر سے ابتدائی زمانہ میں ہو یا ماضی مطلق بنایا گیا تھا ... جیسے بویا ۔ رویا ۔ کھویا ۔ دھویا ۔ سویا وغیرہ آپ اب بھی دیکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ علامت مصدر نا کے بعد اگر و ہو تو ماضی مطلق بناتے وقت اس پر یا لگا دیتے ہیں ۔ ہونا پر بھی اسی طرح عمل ہوا ۔اور ہویا بنایا گیا ۔ مگر یہ کانوں کو کچھ اچھا نہ لگتا تھا ۔ لہذا رفتہ رفتہ اس میں تغیر شروع ہوا ۔ اور (ی) اڑگئی اور ہونا سے ہوا بولا جانے لگا ۔ جس کے مونث کا صیغہ لازماً ہوئی ہوا ۔ ہمزہ اس میں ضروری ہے اور شروع سے اسی طرح رسم الخط میں رائج ہو کر کتابت میں شامل ہوگیا ۔ جس کے بغیر لفظ غلط رہے گا ۔ اگر ہمزہ نہ لگایا جائے تو لوگ ہُوی ہُوی پڑھ لیں گے ۔ ہمزہ لگانے سے ہوئی کے سوا اور کچھ نہیں پڑھا

جاسکتا ۔"

لسان القوم حضرت مولانا صفی لکھنوی کی راے گرامی فنی و علمی نقطہ خیال سے بہت وقیع ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"ہوُا ، چھوُا ، موُا یہ چند صیغے مصدر سے خلافِ قاعدہ بنائے گئے ہیں ۔
مرنا سے مرا یا موُا دونوں طرح صیغہ واحد غائب ماضی مطلق آیا ہے ۔
واؤ کے ساتھ بولنے میں ہمزہ کی آواز شامل کر دیتے ہیں ۔ صیغے واحد مونث غائب میں الف یاے ساکن سے بدل جاتا ہے ۔ اور وہ ہمزہ کی آواز جو واؤ کے ساتھ شامل تھی ، یاے مکسور کی صورت میں واؤ اور یاے ساکن کے درمیان آئے گی اور اُسے یاے وقایہ کہتے ہیں ۔ یعنی ایسی یا جو دو ساکنوں میں ربط پیدا کرنے کی غرض سے لائی جائے ۔
قاعدہ قاعدہ ہے ۔ خواہ عام ذہنیتیں اُسے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں ۔
لہذا "ہوئی" میں بلاشبہہ دو (ی) ہیں اور اس کے اکیس عدد محسوب کرنا چاہیے ۔"

ایک دوسرے خط میں نہایت وضاحت سے اپنی راے گرامی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں ۔

"ہوئی" کے رسم الخط اور اعداد کے متعلق آپ میری راے دریافت فرماتے ہیں۔ میری راے میں رسم الخط ان کا دو تحتانیوں کے ساتھ ہونا چاہیے اور عدد اس لفظ کے (۳۱) شمار ہوں گے ۔ ہوئی کو محض ایک تحتانی سے لکھنا اور اُس کے (۲۱) عدد شمار کرنا میری رائے میں صحیح نہیں ۔ فارسی الفاظ ہوں یا اُردو اگر اُن کے آخر میں الف یا (واؤ) ہو تو جب یاے معروف ساکن کا اضافہ کیا جاے گا ۔ تو (الف) یا (واؤ) اور اُس ساکن کے ماقبل یاے متحرک (جسے اصطلاح میں یاے وقایہ کہتے ہیں) ضرور لگائی جاے گی ۔ اور یہ یا ایک شوشے کی شکل میں ہوگی اور ہمزہ مکسور کی آوازدی گی ۔ جیسے ۔ آئی ۔ پائی ۔ نائی ۔ کائی ۔ بھائی وغیرہ یا بوئی ۔ سوئی ۔ کھوئی ۔ ڈوئی ۔ وغیرہ بہ اشباع

تلفظ واؤ جیسے روئی ۔ موئی ۔ بوئی ۔ (بروزن فعل) موئی ۔ روئی ۔ سوئی ۔ موئی وغیرہ ان سب لفظوں میں دو تحتانیاں رسم الخط میں داخل ہیں ۔ لہٰذا "ہوئی" کے لفظ نے کیا خطا کی ہے کہ اس قاعدے کے خلاف لکھیں اور ایک تحتانی سے محروم کرکے اس کے اعداد جمل بھی کم کردیں ۔

ہونا مصدر ہے ۔ اور اس کا صیغۂ امر واحد حاضر (ہو) جب اس پر الف کا اضافہ کیجئے گا تو صیغۂ واحد غائب مذکر ماضیٔ مطلق بن جاے گا اور جب صیغۂ واحد غائب مونث ماضی مطلق معروف بنائیں گے تو الف علامت تذکر یاے ساکن سے جو علامتِ تانیث ہے بدل جائے گا اور اس یاے ساکن کے قبل ایک یاے متحرک مکسور دو ساکنوں میں ربط پیدا کرنے کی غرض سے (جسے یاے وقایہ کہتے ہیں) بڑھا دیں گے یہ (یا) شوشے کی شکل میں ہوتی ہے اور ہمزہ کی آواز دیتی ہے ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ "ہوئی" کو "ہوی" کس قاعدے سے لکھا جاسکتا ہے ۔ البتہ خلافِ رسم الخط لکھ کر چونکہ ایک تحتانی غائب ہو جائے گی (۲۱) ہی عدد شمار ہوں گے ۔ اس لئے کہ حسابِ جمل میں حروف مکتوبی شمار ہوتے ہیں ۔ لیکن یہ کتابت خلافِ رسم الخط اور بے قاعدہ ضرور سمجھا جاے گی ۔ اس "ہوئی" کے متعلق تو پہلے غالباً آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میری راے میں دو تحتانیوں کے ساتھ لکھنا چاہیے ۔ اور اس کے اعداد (۳۱) شمار ہوں گے ۔

حضرت نکہت سہسوانی برادرزادہ حضرت تسلیم سہسوانی مؤلف ملخص تسلیم کی راے گرامی بھی ہوئی میں دو (ی) کے حق میں ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"کہ آواز کے استقرا اور ان میں تدبر سے بخوبی واضح ہوگا ۔ کہ اردو میں ایسے افعالِ ماضی کی تانیث جن کا حرف دوم علت ہو ۔ اس بنا پر کہ زبان قواعد کے ماتحت نہیں ۔ قواعد بعد میں بہ لحاظ کثرتِ استعمال مرتب ہوتے ہیں ۔ بالکل خلافِ قیاس ہے ۔ وہ افعالِ ماضی جن کا

حرفِ دوم حرفِ علت ہو یا تو واو ، ی ہو ۔ مگر یا یائی ۔ اگر پہلی صورت میں ہو تو یہ واؤ کتابت میں آئے گا ۔ مگر تلفظ میں اشمام کے ساتھ ضمہ ء حقیقہ کی آواز پیدا کر کے حرکت دوم کے لئے اپنا قائم مقام ایک ہمزہ مفتوحہ کو بنا دے گا ۔ جیسا کہ ہوا ۔ موا ۔ توا ۔ چھوا کے الفاظ سے ظاہر ہے ۔ کہ ان کا حرفِ دوم یعنی واؤ ، لکھا پڑھا ، سنا ، کہا ، وغیرہ کی طرح تحریک میں کوئی دخل نہیں رکھتا ۔ اور اس کی جگہ حرفِ آخر کو ساکن بنانے کے لئے ایک ہمزہ نے لے لی ۔ اس حالت میں جب ان افعال کی تانیث کی جائے گی ۔ تو یائے علامت تانیث سے پہلے ایک یا کا جو قائم مقام ہمزہ متحرک ہے اضافہ لازمی ہے ۔ اس لئے جو واؤ داخل کتابت ہے وہ تلفظ میں قبل ازیں ہمزہ سے بدل چکا ہے اور کتابت میں اب بھی موجود ہے ۔ اس صورت میں یہ خوبی ہے ۔ کہ کتابت موافق تلفظ ہوگی اور تلفظ مطابق کتابت اگر یہی الفاظ باشباع حرکتِ واو ، ہوُا ، موُا ، توُا ، چھوُا ہوتے تو دوسرے افعال کی طرح ان کی تانیث بتحریک حرف دوم ہوی ۔ موی ۔ چھوی ایک یا کے ساتھ ٹھیک تھی ۔ لیکن حقیقتِ حال چونکہ اس کے خلاف ہے ۔ اس لئے محققین ان افعال مونث کو ایک شوشہ لگا کر ہوئی ۔ توئی وغیرہ لکھتے ہیں ۔ یا ہوئی ۔ کوئی کی شکل میں ۔ صرف ایک یا لکھنا املا کی غلطی ہے ۔

باقی رہی دوسری صورت جب حرف دوم یا ہو تو ایسے الفاظ کی تانیث میں ہمیشہ حرفِ ثالث حذف کردیا جاتا ہے ۔ جیسے کیا ۔ لیا ۔ دیا کی تانیث کی ۔ لی ۔ دی ہے ۔"

(راقم الحروف کے نام ایک طویل خط سے اقتباس)

حضرت جوش ملسیانی نے اپنے ایک طویل خط میں ہوئی کے اعداد کے متعلق یوں اظہار خیال فرمایا :۔

"مخلص تسلیم میں وہ سطور میں نے پڑھیں جن کا ذکر آپ نے اس خط میں کیا

ہے ۔ جناب تسلیم فی الواقع ہوئی میں دو یاے تحتانی تسلیم فرماتے ہیں اور جو دلائل آپ نے لکھے ہیں وہ بھی گراں ہیں اس لئے میں آپ کے خیالات کی تائید کرتا ہوں .... آئی ۔ کھائی ۔ کوئی ۔ ہرجائی میں اگر کسی نہ کسی جگہ ایک تحتانی شمار کی ہے تو بلا لحاظ شخصیت اسے نادرست کہنا پڑے گا ۔ اور یہ عذر ناقابلِ پذیرائی ہوگا ۔ کہ تقطیع میں تحتانی اعلان سے ہے یا تخفیف سے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ ہر ایک (ئی) دو یاے تحتانی ہوا کرتی ہے ۔ اس صورت میں ہوئی کی (ئی) دو تحتانی کیوں نہ شمار میں آئے ۔ اس نکتہ پر زور دینا چاہیے کہ (کوئی) کسی جگہ ایک تحتانی سے اور کسی جگہ دو تحتانی سے محسوب کی جاے تو ناواجب اور بے اصول ہے ۔"

مذکورہ آرا سے مترشح ہوتا ہے ۔ کہ "ہوئی" میں دو (ی) کا وجود بلاشک و شبہ موجود ہے ۔

حضرت اسیر لکھنوی کی یہ تاریخ

خواجہ عالم ارواح ہوی جانِ وزیر

جب طبع ہوئی تو اس پر ملخص تسلیم کے مؤلف حضرت تسلیم سہسوانی نے اُسی زمانے میں اعتراض کر دیا تھا جو ملخص تسلیم کے صفحہ (۲) پر دیکھا جاسکتا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"بوجہ نا آگہی تاریخ مظفر علی خان اسیر لکھنوی در تباہی است کہ یک یاے ہوئی در مصرع تاریخ ترک کردند"

حضرت اسیر کے زمانے میں اکثر حضرات ہوئی کی کتابت ایک ہی (ی) سے فرماتے تھے ۔

حضرت امیر مینائیؔ کے یہاں بھی "ہوئی" کے (۳۱) عدد ایک جگہ شمار ہوے ہیں یہ مصرع تاریخ جناب سیماب اکبر آبادی نے راقم الحروف کو ایک ملاقات کے وقت

---

۱ - ۱۸۷۵ء میں جب ٹرکی پر سلطان عبدالعزیز کی حکومت تھی ۔ بوسینا والوں نے بغاوت کی اور یورپ کی بعض طاقتوں نے باغیوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا اظہار کیا ۔ جن میں سب سے پیش پیش یونان تھا ۔ سلطان نے اپنا لشکرِ جرار بھیج کر ان کو شکستِ فاش دی یہ تاریخ اسی فتح کی یادگار ہے ۔ ۱۸۷۵ء عیسوی کی مطابقت ۱۲۹۲ھ ہجری سے ہوتی ہے ۔

عنایت فرمایا تھا ۔ اور کہا تھا ۔ کہ حضرت امیر مینائیؒ نے اس مصرع تاریخ میں

اب ہوئی یونان کی ترکی تمام (۱۲۹۲ھ)

میں "ہوئی" کے (۳۱) عدد شمار فرمائے ہیں ۔

حضرت ریاض خیر آبادی نے "ہوئی" کے (۲۱) عدد لئے ہیں ۔ لیکن "ہوئیں" میں دو (ی) شمار فرمائی ہیں ۔ ان کی ایک تاریخ ہے ۔

ع ہوئیں زیب النسا اب زینتِ خلد (۱۳۳۶ھ)

اسی طرح آئیں میں لسان الملک مرحوم نے دو (ی) شمار کی ہیں

آئیں ع پھول آئیں شاخ آرزو میں (۱۳۲۹ھ)

مندرجہ ذیل مادہ ہائے تاریخ میں بھی "ہوئی" کے (۳۱) عدد شمار ہوئے ہیں ۔ اور (ئ) کے بیس عدد۔

لسان القوم صفی	ع	ہوئی ہے مسجدِ نو نادر الزماں تعمیر	(۱۳۱۳ھ)
ولا حیدر آبادی	ع	قیامت ہوئی ہائے مہدی کی شادی	(۱۳۲۵ھ)
شاد لکھنوی پیرو میر	ع	گُل ہوئی شمع مرثیہ گوئی	(۱۲۹۲ھ)
جلال لکھنوی	ع	آج رشکِ جشنِ جم بزمِ طرب آگیں ہوئی	(۱۲۸۲ھ)
کمال لکھنوی		گُل ہوئی شمعِ خاندانِ انیس	(۱۳۱۸ھ)

"ہوئے" کے اعداد کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ۔ سبھی مورخ اس کے (۲۱) عدد لیتے ہیں

قدر بلگرامی	ع	ہوئے میر عمارت نیک دل کرنل ہوئٹ اس میں	(۱۸۷۸ء)
داغ دہلوی	ع	معتمد صاحب ہوئے زیبا خطاب	(۱۳۰۸ھ)
حضرت جلیل		اٹھ گئے چھ تو بفرمانِ خداوند جلیل	

میر عثمان علی خاں ہوئے سلطانِ دکن (۱۹۱۱ء)

"ہوئی" کے اعداد کے متعلق ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے ۔ دونوں جماعتوں کے نظائر سے بحث کی گئی ہے ۔ دونوں کا موقف اپنی اپنی جگہ پر قارئین کرام کو دعوتِ فکر دیتا ہے ۔ وہ حضرات جو ہوئی کے اکیس عدد بھی لیتے ہیں اور اکتیس بھی اس نتیجہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ فنِ تاریخ ایک مشکل اور ادق فن

ہے ۔ اس لئے ہوئے کے اعداد اگر ایک (ی) سے کتابت ہوگی تو (۲۱) اور اگر دو (ی) سے اسے لکھیں گے تو (۳۱) شمار ہوں گے ۔ البتہ مولانا صفی لکھنوی کی رائے گرامی رسم الخط کے متعلق جو علمی و فنی معلومات لئے ہوئے ہے اس کی روشنی میں ہوئی میں دو تحتانیاں شمار ہوں گی اور اس کے (۳۱) عدد لئے جائیں گے ۔

☆ ☆ ☆

تاریخ گوئی کے متنازعہ مسائل
(ملخص تسلیم کی روشنی میں)

منشی انور حسین تسلیم سہسوانی شیخ علی بخش بیمار کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔ حضرت بیمار وہی بزرگ ہیں جن کو نواب محمد سعید خان والئ رام پور نے "بوستانِ خیال" کو اُردو نظم کا جامہ پہنانے پر مامور کیا تھا اور انھوں نے اس کے کچھ حصّوں کا ترجمہ بھی کیا تھا ۔ کئی دیوان انھوں نے یادگار چھوڑے ۔ فن اور متعلقاتِ فن سے باخبر تھے حضرت تسلیم نے اسی فاضلِ ادب سے تقریباً ربع صدی اکتسابِ علم و فن کیا اور اپنی محنت اور مشق سے اساتذہ وقت میں شمار ہونے لگے ۔

تسلیم کے شعری سرمایہ میں مثنوی سحر-ین "نولکشور پریس لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے ۔ ان کی غزلوں کا دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے ۔ البتہ فنِ تاریخ گوئی کے متعلق ان کی دو کتابیں "ملخص تسلیم" اور "عدد التاریخ" نیّرِ اعظم پریس مراد آباد سے شائع ہو چکی ہیں ۔ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسلیم تحقیق و جستجو کے دلدادہ تھے ۔ فارسی عربی کی قدیم شعری روایات سے انہیں پوری واقفیت حاصل تھی ۔ ان کی شخصیت جامع کمالات تھی ۔ نظم ہو یا نثر دونوں میں ان کا قلم رُکتا ہوا نہیں دیکھا گیا ۔ علم و ادب کے تقریباً ہر شعبہ سے باخبر تھے لیکن تاریخ گوئی کا خاص ملکہ ان میں ودیعت تھا اور اسی خاص جوہر کی وجہ سے دنیائے ادب میں ان کا نام آج تک زندہ ہے اور ہر دور کا مورخ ان کے اس کارنامے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔

"ملخص تسلیم" ان کی گہری واقفیت اور زندگی بھر کی ادبی ریاضت کا ثمر ہے جس میں انھوں نے تاریخ گوئی کے جملہ قواعد سے بحث کی ہے ۔ اس فن کے تمام مختلف فیہ مسائل کو علمی و عملی دونوں نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے ۔ علمی بحث کے ساتھ ساتھ اساتذہ متقدمین کے نظائر بھی پیش نظر رکھے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے ۔

تسلیم نے ملخص تسلیم (۱۳۰۰) ہجری میں ختم کی چنانچہ ملخص کے صفحہ چھ پر فرماتے ہیں ۔ "چوں آغازِ کتاب لباس خاتمہ پوشید ملخص تسلیم نام دادم ۔" ملخص تسلیم اس کا تاریخی نام ہے ۔ یہ کتاب ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوئی ۔ حضرت جلال نے سالِ اشاعت تحریر فرمایا ۔

جلال از سالِ طبع وے خبر داد
کتابِ بے بدل بے مثل و نادر (۱۳۱۴ھ)

ملخص سے پہلے تاریخ گوئی کے موضوع پر دو کتابیں چھپ چکی تھیں ۔ پہلی کتاب خیابانِ تاریخ جو سید محمد علی جویا مراد آبادی کی تصنیف تھی یہ کتاب ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوئی ۔ دوسری کتاب "افادہ التاریخ" جس کے مؤلف ملک کے باکمال استاد میر ضامن علی جلال لکھنوی تھے ۔ یہ کتاب ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی ۔ حضرت جلال کے افادۂ تاریخ کو کافی شہرت حاصل ہے کیونکہ تاریخ گوئی کے فن پر اور کوئی مستند رسالہ دستیاب نہیں ہوتا تھا ۔ اس لیے مبتدی و منتہی دونوں کے لیے یہی ملجا و ماویٰ تھا ۔ خیابانِ تاریخ میں فنِ تاریخ گوئی کے قواعد کے علاوہ حضرت جویا نے اپنی کہی ہوئی اچھی اچھی تاریخوں سے ملک کو روشناس کرایا ہے ۔ ان کے تلاش کیے ہوئے مادے برمحل بھی ہیں اور ساتھ ہی مادہ کی تلاش میں انھوں نے اصل واقعہ کے مضمون کے مطابق بہترین الفاظ کی جستجو بھی فرمائی ہے اس لیے ان کی یہ کاوش موجبِ صد آفرین ہے اور اسی محنت سے ان کے مذاقِ صحیحہ کی آئینہ داری بھی ہوتی ہے ۔ یہ کتاب ۱۳۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ۔ اس کتاب میں ہمزہ کے اعداد کے متعلق جو مشرب اختیار کیا گیا ہے ۔ اس پر ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے ۔ ملخص چونکہ ان دونوں کتابوں کے بعد طبع ہوئی اس لیے حضرت تسلیم نے ان تمام مختلف فیہ مسائل سے بحث کی ہے جو ان کتابوں میں ان کے زیر غور آئے ۔

قواعدِ تاریخ گوئی میں مختلف فیہ مسائل کی بحث بڑی اہم ہے کیونکہ یہ ایک بنیادی بحث ہے اس لیے ملخص میں حضرتِ تسلیم نے اس پر مدلل اور دلکش انداز میں اپنے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے ۔ تاریخ گوئی کے ان کٹھن راستوں میں ایک قابلِ اعتماد راہ نما کی طرح قیادت فرمائی ہے ۔ فنی پہلوؤں کو بڑی چابکدستی سے اُجاگر

کیا ہے ۔ اپنے موقف کی توضیح ہی نہیں کی بلکہ فیصلہ کن نتائج سے روشناس بھی کرایا ہے جس سے ان کی ریاضت محنت اور ادبی شغف کا اندازہ ہوتا ہے ۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ذیل کے پیچیدہ اور مختلف مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے ۔

(۱) الف ممدودہ

"الف ممدودہ در جمیع لغات و قواعد فارسی دربیان حروفِ تہجی فصل الف ممدودہ والفِ مقصودہ موجود ذکر ہمزہ نیست ۔ بعض کامل عیار الفِ ممدودہ را دو الف قرار دادہ اند دو عدد گرفتہ اندونیز مذہبِ اہلِ لغت ہمیں است ۔ بہ بینید الف ممدودہ بخواندن درازباشد چوں الف آمدن و آموختن و آمیختن ہر گاہ بائے زائدہ و نوں نفی و میم نہی قبل صیغۂ ماضی و مضارع و امر و نہی درآید متحرک از (یا) بدل شود و ساکن بحالِ خویش ماند چنانچہ بیامد ، و بیاورد ، و بیاموخت ہم چنیں و دیگر مشتقات اصل ایں ۔ آمد ۔ آورد ۔ آموخت ۔ آمیخت بود ۔ کوکب کاشانی و مخلص اصفہانی برآں ہستند ۔ الفِ ممدودہ کہ حکم دو الف دارد دراوّل کلمات مے آید ۔ چنانچہ آہنگ و آونگ و آباد و آزاد و آغاو آستر ۔"

(ملخص تسلیم صفحہ ۳۴ ۔ ۳۵)

اس بحث کے دوران میں اکثر اساتذہ کی کہی ہوئی تاریخوں سے استناد کیا ہے

بہرِ تاریخ قرآں کرد رقم کلکِ کلیم
مہدِ جمشید بسر منزل بلقیس آمد

(۱۰۴۳ھ)

شیخ نظام الدین مصنف مجمع الصنائع نے اپنے والد محمد صالح کا تاریخی مصرع قصیدۂ تاریخی میں "مثنوی آرامِ جان" سے لیا ہے جس سے ایک ہزار چھپن سال پیدا ہوتے ہیں ۔ الف ممدودہ کے دو عدد لیے ہیں ۔

بجد وجہد رام آرام جاں یافت (۱۰۵۶ھ)

ملک الشعراؤ بیجی کہ اکابر شعرائے یزد سے تھا ۔ مثنوی نرگس واں بمقام نعت

لفظ "آل احمد" کو دو الف سے لکھا ہے ۔

زباں بہفتاد بار از آبِ گوہر بشویم تا برم نامِ پیمبر
محمدؐ رحمتہ للعالمین است شفیع جرم بدکاراں ہمیں است
محمد با اماں زاں تو لماں است محمدؐ گوئی ازدوزخ لماں است
عدو شاہد براربابِ عرفاں زجز حُبِ محمدؐ نیست ایماں
نبیِ ابطحی یعنی محمدؐ بحقِ داعی منطق آل احمد

مذکورہ تاریخوں میں آمد کو (۱۱مد) آرام کو (۱۱رام) آل کو (۱۱ل) دوالف سے کتابت کیا ہے اور الف ممدودہ کے دو الف محسوب ہوئے ہیں ۔

حضرت تسلیم نے چند ایسی مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں الف ممدودہ کا ایک عدد لیا ہے ۔

تاریخ آں مقارنہ کردم سوال گفت
ماہِ عجب رسید بپابوس آفتاب

۹۵۲

(ملا محتشم)

یہاں آفتاب میں الف ممدودہ کا ایک عدد لیا گیا ہے ۔

زجود شاہ جہاں بادشاہ ملک آرای
پدید آر درشاہوار صد عماں

(سنجر طہرانی)

اس شعر کے متعلق تسلیم فرماتے ہیں:۔

"عدد آرای و آریک یک گرفتہ من ہم بپابندی قاعدہ مروجہ سر نہادہ ام" (ملخص صفحہ ۲۷)

حضرت تسلیم کے نزدیک الف ممدودہ کے دو عدد لیناتاریخ گوئی کے قواعد کے عین مطابق ہے جنھوں نے الف ممدودہ کا ایک عدد لیا ہے حضرت تسلیم نے انھیں نہایت سخت الفاظ سے مخاطب کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

"الف ممدوده دو الف است ۔ اندریں صورت گرفتن دو عدد ے باید ۔ لہٰذا چہ تواں کرد کہ بمقابلہ گواہی صد ہزار کاذب قولِ یک صادق باور نمے شود ۔ ہمہ بایک گرفتہ اند ۔ حق ایں است کہ علمہ خلائق کہ ناآشنائے قواعد و فنِ تاریخ بودند امتیازِ الف ممدوده و مقصوره را وسعت ندادند ۔ و در راه پا کوفتہ نابینانہ رفتند بلکہ خونش بر گردنِ خود گرفتند ۔" (ملخص ۳۷)

صاحبِ غرائب الجمل فرماتے ہیں:۔

"صاحبِ ملخصِ تسلیم کا اصرار ہے کہ الف ممدوده کے عدد دو ہی محسوب ہوں اور مرزا محمد جعفر اوج نے بھی اپنی تالیف "ارمغان" میں انہی کے ساتھ اتفاق فرمایا ہے ۔" (غرائب صفحہ ۸۴)

دوسری جگہ پھر فرماتے ہیں :۔

"صاحبِ ملخصِ تسلیم نے اپنی رائے کے خلاف عمل کرنے والے استادوں کو بہت بُرا بھلا کہا ہے اور سخت سست الفاظ میں ان کو یاد کیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ہماری تاریخوں میں الف ممدوده کے دو عدد محسوب ہوئے ہیں۔"

(غرائب الجمل صفحہ ۸۵)

ملخصِ تسلیم کے مذکورہ اقتباسات اور علامہ عزیز جنگ ولا صاحبِ غرائب الجمل کی رائے کی روشنی میں حضرت تسلیم کا مشرب واضح ہے وہ الف ممدوده کے دو عدد لینے کے حق میں ہیں اور جن مؤرخین نے الف ممدوده کا ایک عدد لیا ہے وہ ان کے نزدیک قابلِ گرفت ہیں ۔

الف ممدوده کتابت میں ایک الف سے مکتوب ہوتا ہے اس لیے اس کا ایک ہی عدد لینا چاہیے ۔ حضرت جلال لکھنوی کا بھی یہی مسلک ہے ۔ حضرت امیر مینائی لکھنوی مرحوم نے بھی امیر اللغات میں ایسے الف کا ایک ہی عدد لینے کی تلقین کی ہے ۔ مد ، ہمزہ اور الف خنجری آوازِ الف کی علامتیں ہیں ۔ حروف ابجد جو تعداد میں اٹھائیس ہیں ان میں ان کا شمار نہیں اس لیے ثقہ مورخین نے ان کا کبھی کوئی عدد نہیں لیا۔

تاریخ گوئی میں مکتوبی حروف کے عدد لیے جاتے ہیں ۔ اگرچہ وہ غیر ملفوظ ہی کیوں نہ ہوں مثلاً خوش میں واؤ معدولہ غیر ملفوظ ہے ۔ لیکن مورخ اس کے چھ عدد لیں گے ۔ فرخ میں رے مشدّد ہے ۔ دو دفعہ بولی جاتی ہے لیکن عدد ایک ہی رے کے شمار میں آئیں گے ۔ اب اور آب ہم عدد ہیں ۔ اگر مد کا ایک عدد لینا درست ہے تو حرکاتِ ثلاثہ اور جزم نے آخر کیا قصور کیا ہے کہ ان کو غیر محسوب چھوڑا جائے ۔ جمہور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ الف ممدودہ کا ایک ہی عدد لینا چاہئے ۔ اسی پر ثقاتِ فنِ تاریخ متفق ہیں اور الفِ ممدودہ کے دو عدد لینے کا رواج اب نہیں رہا ۔

(۲) تائے مدورہ

تاریخ گوئی میں مختلف فیہ مسائل میں دوسرا نمبر تائے مدورہ کے اعداد کی بحث کا ہے ۔ تائے مدور کے عدد اساتذہ نے کبھی چار سو لئے ہیں اور کبھی پانچ ۔ اس بحث میں حضرت تسلیم نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اظہارِ خیال کیا ہے جس کے اہم حصے ہم ذیل میں فارسی سے ترجمہ کرکے پیش کرتے ہیں :-

تائے فوقانی عربی میں آٹھ معنوں میں آتی ہے جن میں سے دو کے متعلق تحریر ہے ۔ ایک تائے تانیث جو اواخر اسما میں آتی ہے۔ خواہ متصرف ہو یا غیر متصرف اور حالتِ وقف میں ہا پڑھی جاتی ہے جیسے ضاربۃ ۔ مضروبۃ ۔ روضۃ ۔ دوحۃ ۔ فاسقۃ ۔ مستورۃ ۔ دوم تائے وحدت جیسے تمرۃ (ایک چھوہارا) حمامۃ (ایک کبوتر)"

تائے مصدری بعض مصادر کے آخر میں آتی ہے جیسے رحمت ۔ نعمت ۔ عشرت ۔ قناعت (از ہفت قلزم) صاحب غیاث لکھتے ہیں ۔ "تائے مصدریہ ضاربۃ ۔ مضروبۃ ۔ رحمۃ ۔ قناعت و غفلت ۔ واضح ہو کہ عربی میں رسم الخط تائے فوقانی کی تین قسمیں ہیں ۔ اوّل تائے دراز ، جو جمع میں بعد الف کے آتی ہے جیسے کائنات ۔ آیات ۔ صفات ۔ کرامات اور بعض اسماء میں بھی دراز ہوتی ہے جیسے تائے تبت اور دست بہ فتح سین مہملہ بہ معنی دشت ۔ جو "ت" کہ آخر افعالِ عربی

میں آتی ہے وہ کبھی دراز ہوتی ہے جیسے ضَرَبت ۔ قالَت ۔ کُتبَت ۔ فَعَلت ۔ دوم تائے مدور مفردہ وہ پانچ حرف کے بعد آتی ہے ۔ دال مہملہ ۔ ذال معجمہ ۔ رائے مہملہ ۔ زائے معجمہ ۔ واو ۔ جیسے اعادۃ ۔ اعاذۃ ۔ ادارۃ ۔ اجازۃ ۔ اخوۃ ۔ سوم تائے دامن دار جیسے اباحۃ ۔ احالۃ ۔ اجابۃ ۔ ان احادیث میں بھی تائے دامن دار ہے ۔ لیس الخبر کالمعاینۃ ۔ الحرب خدعۃ ۔ (المسلم مراۃ المسلم) ۔ اتقو النار ولو بشق تمرۃ ۔ ان من الشعر حکمۃ وان من البیان السحر ۔ السفر قطعۃ من العذاب ۔ صاحب ہفت قلزم فرماتے ہیں کہ تائے دولت ۔ سعادت ۔ رفعت ۔ شوکت ۔ حشمت ۔ شجاعت ۔ عترت کو فارسی میں دراز لکھتے ہیں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی تاکو مدور جو کہ وقف میں ہا سے بدل جاتی ہے جیسے حلاوت و حلاوہ ۔ رحمت و رحمہ ۔ منت ومنہ ۔ دولت و دولہ ۔

مرزا قطب الدین مائل کی تاریخ محمد عاکف نے جعل جنۃ مثواہ (۱۱۰۸) سے نکالی ہے ۔ سرخوش نے اپنے تذکرہ ضمیمہ حال میں لکھا ہے ۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے تذکرہ خزانہ عامرہ میں اس تاریخ پر اعتراض کیا ہے کہ مؤرخ نے تائے جنۃ کو باملائے عربی (ہا کی شکل میں) لکھا ہے اور بجائے پانچ عدد کے چار سو عدد محسوب کیے ہیں ۔ شیر خاں مصنف تذکرہ مراۃ الخیال نے تائے مراۃ کو مدور لکھا ہے اور چار سو عدد محسوب کیے ہیں ۔

ایں چمن زارے کہ مراۃ الخیالش خواندہ اند	داداز حُسنِ معانی یک جہاں حُسنِ کمال
صورتِ تاریخ انجامش تواں بے پردہ دید	گر تامل پردہ بردارد زمراۃ الخیال

(۱۱۰۲)

"مراۃ الخیال" کے ۱۳۱۳ عدد ہوتے ہیں۔ "پردہ" کے ۲۱۱ عدد نکالنے سے سالِ مطلوبہ (۱۱۰۲) حاصل کیا ہے ۔ فائق نے مسجد نواب آصف الدولہ کی تاریخ کہی ۔

فائق دوگانہ کرد بمحرابِ اوادا
تاریخ گفت خضر کہ "قد قامت الصلوٰۃ"

۱۲۰۲

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تاریخِ وفات

سال نقل معین دیں ز فلک
"زبدۃ الصالحین" بگفت ملک
۶۳۳ (ناظم تبریزی)

مولانا عبدالباسط میٹھوی کی ایک تاریخ ہے۔

گفت امرِ خداش با اجلب
اسکن انت زوجک الجنتہ (۱۱۰۸)

آلِ محمد مارہروی نے تاریخ مسجد فتح معمور خان میں تائے مدور کے چار سیکڑے لیے ہیں۔

تاریخہ سلت من العقل فی السحر
من ہاتف سمعت فقد قامت الصلوۃ
۱۲۸۳

اس تاریخ کا مادہ وہی ہے جو فائق نے تلاش کیا۔ حرف سر تاریخ زیادہ کر دیا اور واؤ کے درمیان الف غلط ہے۔"

حضرت تسلیم نے مولانا امام بخش صہبائی کا ایک طویل خط بھی اس بحث کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔ چونکہ خط بہت طویل ہے اس لیے اصل خط کی عبارت کو نظر انداز کرتا ہوں البتہ اس خط کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرت اسلوبِ عربی میں ہے تو اس کے چار سو عدد لیے جائیں گے اور اسلوبِ فارسی میں ہے تو اس کے پانچ عدد شمار میں آئیں گے۔

مولانا صہبائی کے مذکورہ قولِ فیصل پر حضرت جلال تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا صہبائی نے تائے مدورہ کے چار سیکڑے اور پانچ احاد لینے کے جھگڑے میں ایک محاکمہ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مدور موقوف کے تو پانچ عدد لیے جائیں اور موصولہ کے چار سیکڑے۔ مثلاً برب الکعبتہ کی ت کے تو پانچ احاد لیے جائین اور کعبتہ اللہ کی ت کے چار سیکڑے۔

مؤلف ہیچمدان (جلال) کہتا ہے کہ واہ واہ سبحان اللہ کیا خوب فیصلہ کیا ہے جس نے قاعدہ تاریخ ہی کو برہم کر دیا ۔ یعنی صورتِ کتابت کو کچھ دخل ہی تاریخ میں نہ رہا ۔ محض تلفظ پر کہ جس کا اعتبار مطلق تاریخ میں نہیں ہے ، دارومدار رکھا گیا یعنی برب الکعبتہ میں جو در حالتِ وقف تے غیر ملفوظ ہوتی ہے اس کے پانچ لیے جائیں اور کعبتہ اللہ میں در حالتِ وصل جو "تے" ملفوظ ہوتی ہے اس کے چار سو ۔ اس فیصلے کو ان کے معتقدین ہی تسلیم فرمائیں تو فرمائیں دوسرا کیونکہ مان لے کہ قاعدۂ تاریخ ہی مٹا جاتا ہے ۔"

(افادۂ تاریخ صفحہ ۲۵ ۔ ۲۶)

حیدرآباد دکن میں ذکی مرحوم لکھنوی اور معنی مغفور دکنی میں تائے لفظ صلوٰۃ کے اعداد پر ایک طویل بحث ہوئی تھی ۔ ذکی مرحوم کے نزدیک تائے مدورہ صلوٰۃ کے پانچ عدد اور معنی مغفور کے نزدیک تائے مدورہ صلوٰۃ کے چار صد عدد درست تھے ۔ استادانِ جمل سے استصواب ہوا ۔ مولوی حبیب اللہ ذکا اس بحث کا فیصلہ یوں فرماتے ہیں ۔

من برنیم ، من برنیم ۔ من برس   خان معنی آنچہ مے گوید بجاست
درحضور حق تواں گفتن ذکا   آخر لفظ صلوٰۃ البتہ تاست

مختلف اساتذہ نے تائے مدورہ کی بحث میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ تسلیم صہبائی کے ہم نوا ہیں ۔ جلال ، امیر و اسیر کے ہم مشرب ہیں ۔ مولانا صفی لکھنوی سے میں نے تائے مدورہ کے اعداد کے متعلق استفسار کیا تھا چونکہ ان کا خط مدلل ہے اور ساتھ ہی اس بحث پر ایک آخری تحقیق ہے اس لیے میں ذیل میں بجنسہ نقل کرتا ہوں :۔

"ابجد لغایت ضظغ اٹھائیس حروف زبانِ عربی میں ہیں حروفِ تہجی کہلاتے ہیں ۔ ان میں اکثر ہم شکل ہیں جن کو حروفِ متشابہ کہتے ہیں ۔ ان کی آواز کا فرق لفظوں سے معلوم ہوتا ہے ۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں ۔ ایک نقطہ دار اور دوسرے بے نقط نقطہ دار میں بھی

بعض حرفوں کے اوپر اور بعض کے نیچے نقطے دیے جاتے ہیں اور اس کے بعد مابہ الامتیاز لفظوں کی تعداد ہوتی ہے اور یہ تعداد تین لفظوں سے نہیں بڑھتی ۔ ان اٹھائیس حرفوں کی بحساب ابجد ایک سے لے کر ہزار تک تعداد مقرر ہے اور فنِ تاریخ گوئی میں انہی حرفوں کے اعداد جوڑے جاتے ہیں چنانچہ تائے قرشت (جس کو تائے مثناۃ فوقانیہ یعنی اوپر کے دو لفظوں والی تے بھی کہتے ہیں) اس کے عدد چار سو اور ہائے ہوز جو حرفِ بے نقط ہے عربی رسم الخط میں کئی طرح سے لکھی جاتی ہے اس کے پانچ عدد مقرر ہیں ۔ عربی رسم الخط میں تائے مثناۃ فوقانیہ یعنی تائے قرشت کو کبھی مدور (ۃ) کبھی لفظ میں تہ یا تہ ہائے مخفی کی شکل میں لکھتے ہیں ۔ جیسے قطرۃ ، روضتہ ، حماتہ " ایسی حالت میں (ت) اور (ۃ) ہم شکل ہو جاتی ہیں ۔ صرف اوپر کے نقطوں سے دونوں کی آواز میں فرق پیدا ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے اس کے عدد قرار پا سکتے ہیں لہٰذا (ۃ) مدوریا اواخر الفاظ میں تائے موقوفہ جب یہ شکل ہائے مختفی بغیر نقطوں کے لکھی جائے اس وقت یہ سمجھا جائے گا کہ یہ (ت) نہیں ہے بلکہ ہائے ہوز مستحیل ہو گئی ہے یعنی اپنا چولا بدل کر ہائے ہوز کا چولا اختیار کر لیا ہے اور اس حالت میں اس کے اعداد وہی ہوں گے جو ہائے ہوز کے ہیں ۔ ہائے ہوز لفظ کے آخر میں نقطہ دار اور متحرک ہو کر "ت" کی آواز دے رہی ہے اس کے عدد بھی وہی ہوں گے جو ت کے ہیں یعنی چار سو ۔ کیونکہ حروفِ متشابہ میں آوازوں اور اعداد کا فرق نقطوں ہی سے پیدا ہوتا ہے ۔ اندریں صورت مراۃ الغیب میں تائے مدور کے پانچ عدد شمار کیے جائیں ، مجھے اس سے اتفاق نہیں ۔ تے جب تک تے ہے خواہ وہ کسی شکل میں ہو اس کے عدد چار سو بحسابِ جمل لیے جائیں گے ۔ آپ نے جو تین صورتیں اپنے خط میں لکھی ہیں ان میں ان سے تیسری صورت سے مجھے اتفاق نہیں یعنی گول ۃ کے عدد حالتِ وقف میں پانچ اور بحالتِ

حرکت خواہ اس کی کتابت بہ شکل ہائے ہوز ہی ہو ، چار سو لیے جائیں گے ۔ اس لیے ذائقۃ الموت میں قاف کے بعد جوۃ ہے اس کے چار سو عدد لیے گئے ۔ وہ صحیح ہے مگر کُلُّ نفس میں چونکہ لام ایک ہی ہے اس کے تیس ہی لیے جائیں گے ۔ حرفِ تشدّد کے دوہرے عدد لینا قطعاً خلافِ قاعدہ ہے اور اسی طرح اس ہمزہ کے جو لباس یا میں ہے ، یا کے عدد چھوڑ دینا بھی درست نہیں ۔ بہر حال تاریخ غلط ہے ۔ علامتِ تشدید ایک ہی حرف کے سکون و حرکت کی علامت ہے ۔" (خط بنام راقم الحروف)

حضرت تسلیم کی اس طویل بحث سے عیاں ہوتا ہے کہ تائے مدورہ جب حالتِ وقف میں ہو تو اس کے پانچ عدد شمار ہوں گے اور غیر وقف کی صورت میں تائے مبسوط کی طرح چار سو عدد محسوب ہوں گے اور جن اساتذہ سلف نے ان کے مسلک کے خلاف عمل کیا ہے تسلیم کے نزدیک غیر مستند ہیں حالانکہ ان کا علمی و ادبی پایہ تسلیم سے بدرجہا بلند ہے ۔

(۳) ہمزہ اور یائے تحتانی

تاریخ گوئی کے متنازعہ مسائل میں ہمزہ اور یائے تحتانی کے اعداد کی بحث بھی بڑی جھگڑے والی ہے ۔ ہمزہ بہ شکل (ء) حروفِ ابجد میں سے کوئی حرف نہیں ۔ تاریخ میں مکتوبی حروف کے عدد لیے جاتے ہیں ۔ ملفوظی کا شمار نہیں ہوتا ۔ ہمزہ مندرجہ ذیل صورتوں میں لکھا جاتا ہے :۔

۱ ۔ اگر ہمزہ لفظ کے شروع میں آئے

ہمزہ شروع الفاظ میں الف کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے اسماء ۔ اکرم ۔

اسی طرح اگر ہمزہ لفظ کے پہلے حرف کے ساتھ ملا ہوا ہو کاتب بھی الف کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے باجل اور لأفضل البتہ لئلا اور لئن میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے ایسا نہیں ہے ۔

۲ ۔ اگر ہمزہ لفظ کے درمیان آئے

درمیان آنے والا ہمزہ اگر ساکن ہو تو اپنے سے پہلے حرف کی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا مثلاً باس ۔ بُوس ۔ بئس ۔ اگر ہمزہ متوسط متحرک ہو تو اپنی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا خواہ اس کا ماقبل ساکن ہو یا متحرک جیسے لَؤم اور رَؤُف ینالَ لسألُ ۔ مسألتہ ۔

البتہ اگر ہمزہ متوسط متحرکہ سے ماقبل ایسا حرف ہو جس پر ضمہ (پیش) یا کسرہ (زیر) ہو تو اپنے ماقبل حرف کی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا مثلاً سُؤال ۔ رِئال ۔ مُؤنث ۔

اگر ہمزہ الف اوریا کے درمیان واقع ہو تو جائز ہے کہ اسے خاص ہمزہ کی صورت میں یای کی شکل میں لکھا جائے ۔ بقاءِی اور بقائی ۔ راءی یا رائی ۔

اگر ہمزہ اوری کے علاوہ دوسرے حروف ضمائر کے درمیان آئے تو اگر وہ مکسور یا مضمومہ ہوگا تو اپنی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا اور اگر مفتوحہ ہوگا تو خاص ہمزہ کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے بَقاؤُہ ۔ بقائہ بَقَاءَہ۔

۳ ۔ اگر ہمزہ آخر میں آئے

اگر ہمزہ آخر میں آئے اور اس کا ماقبل ساکن ہو تو علامت قطع کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے جزءٌ ۔ شئٌ ۔

اگر ماقبل متحرک ہو تو اپنے حرف کی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا جیسے جَیئؒ ۔ لَکا ۔ ظَمِئٌ

اگر لفظ کا آخری حرف ہمزہ ہو اور اس کے ساتھ تائے تانیث ملی ہوئی ہو تو اگر ہمزہ سے ماقبل حرفِ صحیح ساکن ہو (یعنی الف ۔ واؤ ۔ یا میں سے نہ ہو) تو الف کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے نشأة اور اگر ماقبل حرف صحیح متحرک ہے تو اس حرف کی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا جیسے فِئَۃ اور لُؤلُؤۃ۔

اگر ہمزہ سے ماقبل ی ہو تو ہمزہ ی کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے خطیئۃ ۔ بریئۃ ۔ لیکن اگر ماقبل الف یا واؤ ہو تو ہمزہ کی اصل صورت

ہی میں لکھا جانے گا جیسے تراۃٌ ۔ صلاۃٌ اور مروءۃٌ اور سوءۃٌ۔
ملخص میں ہمزہ اور یائے تحتانی پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے جس کے پڑھنے سے حضرت تسلیم کی تحقیق ، محنت اور نکتہ رسی کا اندازہ ہوتا ہے ساری کتاب میں یہ باب نظرو تلاش کے اعتبار سے ایک عظیم کارنامہ ہے ۔ اس موضوع پر چند اہم نکات اور ان پر ان کے محاکے کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ۔

۱ ۔ ہمزہ بہ شکل (ء) حروفِ ابجد میں سے کوئی حرف نہیں ۔ یہ آواز الف متحرک کی علامت ہے جو واؤ (ی) یا (ہائے مختفی) پر واقع ہوتا ہے تو اس حرف میں الف متحرک کی آواز پیدا کر دیتا ہے ۔ فنِ کتابت میں ہمزہ کی ہستی رسم الخط کے طور پر سرِ عین کی شکل مین واقع ہوتی ہے ۔

۲۔ ۱ احیاءِ سخن چو کرد یحیٰی جاں داد (۱۰۶۴)

اس مصرع تاریخ میں احیا کے الف کے بعد جو ہمزہ واقع ہوا ہے مورخ نے اس کا کوئی عدد نہیں لیا لیکن ان کو (احیاء سخن) کی ترکیب (احیائے سخن) یائے مجہول سے لکھنا چاہیے تھی کیونکہ اگر اس تاریخ کو فارسی کے قواعد کے مطابق لکھا جاتا تو دس عدد سالِ مطلوبہ سے زیادہ ہوجاتے تھے اس لیے عربی طرزِ کتابت اختیار کی گئی جو معیوب ہے اور قابلِ تقلید نہیں ۔

حرفِ مدرا ساخت مدغم پیر عقل آنگا و گفت
نحو جائز کرد ایں جا التقاءِ ساکنین ۱۰۹۸+۱=۱۰۹۹

یہاں بھی فارسی رسم الخط سے چشم پوشی کی گئی ہے اور تاریخ درست نہیں ۔
"ہمزہ کہ بعد الف سے آید عوض آں یائے تحتانی سے نگارند ۔ قاعدہ عربی در فارسی جاری کردن خودرا عاری کردن است ۔ طبع حق پسند چگونہ خواہد پذیرفت ۔" (ملخص صفحہ ۵۱)

چنانچہ باقر گیلانی کی تاریخ ہے

ملجائے دوسرا امام المتقین (۱۰۶۸)
مکرم جہاں سید المرسلین (۱۰۶۸)

۳ ۔ یورثھا من یشاء (۱۱۲۴)

ہمزہ بعد الف کوئی چیز نہیں اور اسی قاعدے کے ماتحت ہمزہ منون کو بھی سمجھنا چاہیے ۔ "یورثھا من یشاء" میں ہمزہ کا ایک عدد محسوب ہوا ہے ۔ اس کے متعلق علامہ قدر بلگرامی قواعد العروض فرماتے ہیں کہ "یہ مادۂ تاریخی ہے اور ہمزہ کو بضرورت علامہ واسطی نے اعداد میں شمار کر لیا اگرچہ خالی از تعدی نہیں ۔"

۴ ۔ ہمزہ کبھی واؤ پر مکتوب ہوتا ہے مثلاً آؤ ۔ جاؤ ۔ کیکاؤس ۔ رؤف ۔ لکھنؤ وغیرہ۔ ایسا ہمزہ غیر محسوب ہوتا ہے ۔

۵ ۔ ہائے مختفی کا ہمزہ ہمیشہ غیر محسوب ہوتا ہے ۔ یہ ہمزہ کبھی حالتِ اضافت میں آتا ہے مثلاً کشتۂ یاس ۔ بستۂ الفت کبھی بحالتِ نکرہ مثلاً نشستۂ ۔ ساختہ کبھی خطاب کی صورت میں آتا ہے ۔ آمدۂ ۔ رفتۂ ۔ ایسا ہمزہ شمار سے باہر ہے مثلاً

کلیم ہمدانی شاہ شاہانِ جہاں قبلہ عالم آمد (۱۰۰۰)
ولا حیدر آبادی نسخۂ نایاب حیوٰۃ الحمام (۱۳۲۳)
یکے از اساتذہ عجم لمحۂ آفتابِ عالم گیر (۱۰۰۰)

۶ ۔ یائے معروف اور ہمزہ

صاحبِ خیابانِ تواریخ نے یائے معروف کے ہمزہ کا کبھی عدد نہیں لیا۔ مثلاً

اب صفائی ہوئی حضور سے کہہ (۱۲۸۹)
ہائے قاضی کو قضا آئی آج (۱۸۶۹)

ان دونوں مصرعوں میں صفائی ۔ ہوئی آئی میں ہمزہ یائے تحتانی کی شکل میں آیا ہے لیکن جناب جویا نے اسے غیر محسوب رکھا ہے یہ ہمزہ یائے وقایہ ہے یعنی ایسی (ی) جو دو ساکنوں میں ربط پیدا کرنے کی غرض سے لائی جائے اور دوسری

(ی) جو دائرے کی شکل میں ہے ، یائے معروف ساکن ہے ۔ بموجب قواعد دونوں کے عدد محسوب ہونا چاہیے تھے اس لیے آئی ۔ لائی ۔ کھائی ۔ پائی ہوئی ۔ سوئی ۔ کھوئی ۔ مینائی ۔ کہربائی ۔ ہرجائی وغیرہ میں (ئی) کے بیس عدد محسوب کرنا چاہیے ۔ ایک ی شمار کرنا اور دوسری ی کو چھوڑ دینا درست نہیں — نئی اور گئی میں بھی اس کے عدد محسوب ہوں گے گئی کے ۴۰ اور نئی کے ۷۰ عدد ہمیشہ محسوب کرنا چاہیے گئی کے ۳۰ اور نئی کے ۶۰ عدد شمار کرنا درست نہیں ۔

یائے تحتانی جیسے آئی میں صیغہ کی علامت ہے یا کسی لفظ کا جزو ہو مثلاً آئندہ ، دائم یا مصادر بابِ تفعیل سے ہو جیسے تمئیز ، تائید ، تزئین ، آئین یا نسبتی جیسے دریائی ، صحرائی ، یا خطابی جیسے گلروئی ، سمن بوئی ، یا مصدری جیسے گدائی ، دارائی وغیرہ ۔ ان صورتوں میں (ئی) کے بیس عدد لیے جائیں گے کیونکہ تلفظ اور کتابت دونوں میں اس کا اظہار ہے اور اسی طرح یائے تحتانی مصائب ، قائل ، مائل ، حائل ، سائل ، جائز ، فائز ، کائنات ، فائض ، لطائف ، دائرہ ، مائدہ ، فوائح ، لوائح ، عجائب ، غرائب وغیرہ میں اس کے دس عدد شمار میں آئیں گے ۔

تسلیم ایک جگہ اسمٰعیل حسین منیر لکھنوی کی تاریخ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ "بعض مورخ مصلحت سے تاریخ کہتے ہیں جیسے منیر نے لفظ "آئی" کو اپنی یادگار بنایا ہے۔

تاریخ اس عطیہ کی میں نے کہی منیر
انگشترِ زمرد پاکیزہ آئی آج (۱۲۸۲)

یہاں "آئی" کے گیارہ عدد لیے ہیں۔

چھٹی کمالِ شکوہِ شہانہ سے آئی (۱۲۸۲)

یہاں "آئی" کے ۲۱ عدد شمار میں آئے ہیں ۔

پہلی تاریخ میں "آئی" بروزنِ "فاع" ہے اور دوسرے مصرع میں "آئی" بروزنِ "فعلن" ہے شاید اس وجہ سے گیارہ اوراکیس عدد محسوب ہوئے ہیں کیونکہ اساتذہ میں یہ رواج چلا آرہا ہے اور اسی کو مصلحتاً قاعدہ بنالیا گیا ۔ اگرچہ قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے ۔

تسلیم سہسوانی نے اگرچہ "ئی" کے بیس عدد لینے کا حکم فرمایا ہے لیکن عدد التاریخ میں انھوں نے بھی اس پر عمل نہیں کیا ہے مثلاً "آج آئی" کے ۱۵ "باز آئی" کے ۲۱ عدد لیے ہیں اور اپنے بتائے ہوئے تاریخ گوئی کے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ یہ کتاب ان کی وفات کے بعد شائع کی گئی ہے اس لیے تحریف کاتب یا مصلح کا اس میں دخل معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ کتاب ان کی زندگی میں طبع ہوتی تو ضرور اس قسم کے تسامح سے پاک ہوتی۔

۷۔ یائے مجہول ہمزہ وار

اہلِ ایران جن اسمایا امر کے آخر الف ہو ان میں ایک یائے مجہول بڑھا دیتے ہیں مثلاً سرا سے سرائے، کشا سے کشائے، سرا، سرائیدن مصدر سے اور کشا، کشیدن مصدر سے امر کے صیغے ہیں۔ ان پر یائے زائدہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح پا سے پائے اور گدا سے گدائے۔ یہاں اسما پا اور گدا پر یائے زائدہ ہے۔

جن عربی الفاظ کے آخر ہمزہ ہوتا ہے اسے حذف کر دیتے ہیں جیسے سوداء صہباء وغیرہ مونث کے صیغے ہیں ان کو بغیر ہمزہ لکھتے اور بولتے ہیں اور جب یائے زائدہ اس پر بڑھاتے ہیں تو ہمزہ کو حذف کر دیتے ہیں مثلاً صہباء سے صہبائے۔ شعراء سے شعرائے۔ راء سے رائے وغیرہ۔ پھر اگر ایسی یائے زائدہ پر یائے وحدت یا تنکیر وغیرہ لانا ہوتی ہے تو یائے زائدہ کو بصورت ہمزہ اور یائے ثانی کو بصورت یائے مجہول لکھتے ہیں جیسے "تمنائے دارم" "جنگ آزمائے" وغیرہ۔

مذکورہ مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ فارسی زبان کے قواعد میں یائے مجہول بلا اشباع دونوں طرح سے آتی ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں یائے مذکور پر رسم الخط میں شوشہ بحالتِ اشباع نہیں لگایا جاتا بلکہ یائے مجہول اشباعی و غیر اشباعی ایک ہی طرح سے لکھی جاتی ہے۔ اشباعی حالت میں فقط اسے کھینچ کر پڑھتے ہیں۔ یائے مجہول بلا اشباع و بہ اشباع کو ذیل کی مثالوں سے سمجھئے یہ دونوں تاریخیں منیر شکوہ آبادی کی ہیں۔

۱ منیر از بہرِ تاریخش نوشتم
زیارت گاہِ نقشِ پائے مسعود (۱۲۸۷)

یہاں پائے میں یائے مجہول بغیر اشباع کے ہے اور بروزنِ فاع ہے ۔ اس کے دس عدد لیے گئے ہیں۔

۲ نسخۂ دانش فزائے دل عجب (۱۲۷۷)

یہاں فزائے میں یائے مجہول اشباع سے ہے اور "فزائے" "فعولن" کے وزن پر ہے ۔ اس کے بھی دس ہی عدد محسوب ہوئے ہیں ۔ فنِ جمل میں یائے مجہول بلا اشباع اور بہ اشباع دونوں کے عدد یکساں ہوتے ہیں ۔

منشی محمد حیات بخش فرحت سیندی مرحوم کی ایک تاریخ ہے ۔

رفت از سرائے فانی بعالمِ بقا (۱۳۳۶)

یہاں بھی "سرائے" کے یائے مجہول کے دس عدد لیے گئے ہیں۔

لیکن اُردو میں یائے مجہول ہمزہ وار کے اعداد میں اختلاف ہے مثلاً پائے بروزن فعلن ہو تو اس کے ۲۳ عدد لینا چاہیے اور اگر بروزنِ فاع ہو تو ۱۳۔

مثلاً استاذی حضرت جلیل مرحوم کی ایک تاریخ ہے۔

گھڑی توڑا بٹن سونے کے اپنے شاہ سے پائے (۱۹۱۲)

پائے بروزن فعلن ہے اور اس کے ۲۳ عدد لیے گئے ہیں اور یائے مجہول کو شوشے سے لکھا گیا ہے ۔

حضرت فصیح الملک مغفور کی ایک تاریخ ہے ۔

ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی قصرِ عالی پائے جنت میں امیر (۱۳۱۸)

یہاں پائے بروزنِ فاع ہے اور اس کے ۱۳ عدد محسوب کیے گئے ہیں اور یائے مجہول شوشے سے نہیں لکھی گئی۔

لیے ، کیے ، گئے ، نئے وغیرہ میں دو "ی" محسوب ہوں گی ۔ لکھنے ، اٹھنے ، بیٹھنے ، دیکھنے ، بھیجنے ، پڑھنے وغیرہ میں بھی دو "ی" کے عدد لیے جائیں گے ۔ آئیے ۔ فرمائیے میں کیونکہ تین تحتانیاں ہیں اس لیے تین یا کے تیس عدد شمار میں آئیں گے ۔

☆ ☆ ☆

غالب کی تاریخ گوئی

متخصصین غالب کہتے ہیں کہ غالب نے خود اعتراف کیا ہے کہ تاریخ گوئی سے انھیں کوئی خاص علاقہ نہ تھا اور وہ اس فن کو نہیں جانتے تھے ۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ غالب کے اس قسم کے بیانات کی تردید وہ قطعات تاریخ خود کر رہے ہیں جو دیوان اردو اور کلیات فارسی میں موجود ہیں ۔ نہ ہمارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا موجود ہے کہ دوسرے لوگ مصرع تاریخ کہہ کر دے دیتے تھے اور غالب ان پر مصرع لگاکر انہیں قطعے کی شکل دے دیتے تھے ۔ ہمارا دور یوں تو سنی سنائی باتوں پہ یقین لاتا رہا ہے اور محنت کرنے اور تحقیقات کرنے کا شوق اگر ہے تو خواص میں اور وہ بھی خال خال ۔ لیکن ہمارے دور میں چند ممتاز شخصیتیں ایسی بھی ہیں ۔ جنھوں نے عمر عزیز کا بیشتر حصہ تحقیق کے لیے وقف کر رکھا ہے ۔ اب ایک اسی بات کو لیجیے کہ غالب نے کسی ایرانی عبدالصمد نامی سے فارسی زبان کی تحصیل کی تھی یا نہیں ؟ غالب کبھی کہتے ہیں کہ انھوں نے فارسی کے رموز ملا عبدالصمد سے سیکھے ، کبھی کہتے ہیں کہ بالکل نوعمری میں اور وہ بھی نہایت ہی مختصر مدت کے لیے انھوں نے ایک ایسے شخص کی شاگردی ضرور اختیار کی تھی ، لیکن جو کچھ خوبیاں ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں ، وہ ان کی طبع خداداد کا نتیجہ ہیں ۔ کبھی سرے سے عبدالصمد کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب ایک افسانہ تھا ۔ ہمارے زمانے کے بعض محققین بال کی کھال اتارتے ہیں اور اس دھن میں لگ گئے ہیں کہ حقیقت حال کا پتا لگائے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے ۔ غرض کہ عوام میں نہ سہی ، خواص میں ضرور علمی تحقیق و جستجو کا شوق ہے ۔ اس کے پیش نظر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے ان لوگوں کا نام نہ آگیا ہوتا جو غالب کو تاریخی مادے تلاش کر کے دیا کرتے تھے ۔ اور کچھ نہ سہی کم از کم اندازہ تو ضرور لگایا گیا ہوتا کہ وہ غالب کے کون کون سے ایسے احباب ہو سکتے ہیں جن سے یہ کارنامہ منسوب کرنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے ۔ ایسے نام کم از کم ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آئے ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی نہ آئیں اس لیے کہ یہ امر بعید از امکان نہیں کہ

ایسے اشخاص موجود ہی نہ ہوں اور یہ بھی ایک افسانہ ہو کہ دوسرے لوگ قطعات تاریخ لکھوانے کی خاطر مصرع تاریخ کہہ دیا کرتے تھے ۔ فنی لحاظ سے یہ نظر آتا ہے کہ جو شاعر ایک پورے مصرع میں تاریخ برآمد نہ کرے ، کہیں اس مصرع سے کوئی لفظ لے ، کہیں کسی اور مصرع سے کوئی ٹکڑا لے ، کہیں جوڑے ، کہیں گھٹائے اور تب کہیں تاریخ برآمد ہو ، تو یقیناً پورا قطعہ شاعر نے خود ہی کہا ہو گا ۔ یہ داخلی شہادت ثابت کرتی ہے کہ کم از کم ایسے قطعات تاریخ جو سالم الاعداد نہیں ہیں ، غالب ہی کی کاوش طبع کا نتیجہ ہیں اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ سالم الاعداد تاریخیں غالب نے اتنی نہیں کہیں جتنی دوسری وضع کی جن کا تعلق قطعہ تاریخ کے محض ایک مصرعے سے نہیں ہے اور جن پر گمان کیا جا سکتا ہے کہ پورا قطعہ تاریخ خود غالب ہی نے کہا ہو گا ۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ غالب نے سالم الاعداد تاریخیں سرے ہی سے نہیں کہی ہیں ۔ اصل میں غالب نے ہر وضع کی تاریخ کہی ہے ۔ بعض اوقات گھٹانے اور جوڑنے کے بیک وقت عمل سے تاریخ نکالی گئی ہے ۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم غالب کو تاریخ گوئی میں عاجز خیال کریں اور یہ سمجھیں کہ وہ اس بات کے محتاج تھے کہ مادۂ تاریخ ان کو کوئی نکال کر دے دے تو وہ تاریخ کہیں ورنہ نہ کہیں ۔ غالب کی تاریخوں کے مطالعے سے ہمیں کسی قسم کی بدگمانی نہیں ہوتی ۔ انھوں نے ہر قسم کی تاریخیں نکالی ہیں اور اپنی جدتِ فکر سے اس صنفِ سخن کو چار چاند لگائے ہیں ۔ ہم ذیل میں ان کی مختلف وضع کی تاریخوں کو پیش کرتے ہیں تاکہ تاریخ گوئی میں ان کی بذلہ سنجی ، نازک خیالی اور فکروتلاش کا اندازہ کیا جا سکے ۔

سالم الاعداد (۱)

سالم الاعداد تاریخوں کی بھی کلام غالب میں کچھ کمی نہیں ۔ طوی میرزا جعفر پر ایک لفظ سے سال مطلوبہ برآمد کیا ہے :

---

۱ ۔ سالم الاعداد اس مادۂ تاریخ کو کہتے ہیں جو بنفسہ کامل ہوتا ہے ۔ جس کے اعداد میں کمی یا بیشی نہیں پائی جاتی اور مادے سے وہی سال برآمد ہوتا ہے جس کا اظہار مورخ کو مقصود ہوتا ہے ۔ ایک فرانسیسی

خجستہ انجمن طوی میرزا جعفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادۂ سالِ عیسوی "محظوظ (۱)"؛

۱۸۵۴ ع

ولادت کی ایک تاریخ کہی ہے :

پور وہ فرزند احمد کو ملا رحمت باری کا جو گنجینہ ہے
سالِ تاریخِ ولادت یوں لکھا راحت جاں ہے ، سرور سینہ ہے(۲)

۱۲۸۴ھ ،

مادۂ تاریخ کتنا صاف ، برجستہ اور رواں ہے۔
تاریخ ولادت فرزند سید ابراہیم علی خان بہادر وفا(۳) :

خاندان کی وفات پر خاقانی ہند ذوق نے ایک تاریخ کہی :
پر سید چوں ذوق سال تاریخ ہاتف ز دریغ گفت "اے وائے غضب"
۱۸۳۰
(ذوق سوانح اور انتقاد ، صفحہ ۳۲۸ ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور)
میر نفیس لکھنوی کی وفات پر مولانا صفی لکھنوی نے سو اشعار کی ایک مثنوی کہی تھی جس کا عنوان "سبحۂ صد دانہ" ہے ۔ پہلا شعر ہے :
مثنوی یہ سبحۂ صد دانہ ہے قابلِ وردِ زباں افسانہ ہے
اور آخری شعر یہ ہے جس سے تاریخ نکلتی ہے :
اب سنیں تاریخ احباب نفیس ہے بہشت عنبریں جائے نفیس
۱۳۱۸ھ
(رسالہ 'معیار' لکھنؤ ، جلد ۲، شمارہ ۱ ، طبع شام اودھ پریس لکھنؤ)
۱۳۱۸ھ

- دیوانِ غالب ، نسخۂ عرشی ، طبع انجمن ترقی اردو (ہند) صفحہ ۱۲۹ ۔
- دیوانِ غالب ، نسخۂ عرشی ، طبع انجمن ترقی اردو (ہند) صفحہ ۳۶۵۔
- باغ دودر صفحہ ۳۰ ۔

دربارۂ اسم و سال مولود سعید | رفتست ز غالب سخن در توضیح
ارشاد حسین خان سنینِ ہجری است | بنگر کہ خجستہ رخ بود سال مسیح

۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء

اس قطعۂ تاریخ میں سال ہجری اور سال عیسوی دونوں برآمد کیے ہیں ۔ غالب کا یہ قول کہ "وہ دوست جو مادہ ڈھونڈ دیتے تھے، وہ جنت کو سدھارے" محل نظر ہے ، کیونکہ یہ قطعۂ تاریخ غالب کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے لکھا گیا ہے اور اور غالب کا مذکورہ قول برسوں پہلے کا ہے ۔

شیخ نبی بخش کی تاریخ وفات ایک لفظ سے برآمد کی ہے :

شیخ نبی بخش کہ با حسنِ خلق | داشت مذاقِ سخن و فہم تیز
سال وفاتش ز بے یادگار | با دل زار و مژۂ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر | گفت مدہ طول و بگو "رستخیز"

۱۲۷۷ھ

اس تاریخ کے ضمن میں میرزا غالب کا قول ہے : "ایک (۱) قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع نہیں ۔ جیسا کہ یہ مصرع :

در سال غرس ہر آنکہ ماند بپنند

انوری کے قصائد کو دیکھو ، دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدے کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے ۔ لفظ "رستخیز" کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقعے کے مناسب ۔ اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نامستحسن تھا ۔"

میرزا نے اپنی تاریخ ولادت "غریب" اور "شورش شوق" سے برآمد کی ہے :

۱ ۔ اردوے معلیٰ ، طبع مجتبائی دہلی ، سال اشاعت ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۵ ۔
۲ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد سوم ، صفحہ ۳۰۹ ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ۔
۳ ۔ دیوانِ غالب اردو ، نسخۂ عرشی ، طبع انجمن ترقی اردو ہند ، علی گڑھ ، صفحہ ۲۸۳ ۔

غالب چو ز ناسازی فرجام نصیب
ہم بیم عدو دارد ، ہم ذوق حبیب
تاریخ ولادت من از عالم قدس
ہم "شورش شوق" آمد و ہم لفظ "غریب" (۲)

۱۲۱۲ ۱۲۱۲

دوسری تاریخ لفظ "تاریخا" سے مزاحیہ انداز میں نکالی ہے :

ہاتف غیب زور سے چیخا ان کی تاریخ میرا "تاریخا"

۱۲۱۲

"یہ (۳) شعر میرزا صاحب نے حضرت صاحب عالم مارہروی کو لکھ کر بھیجا تھا ۔ چونکہ وہ میرزا صاحب سے ایک برس چھوٹے تھے اس لیے میرزا صاحب نے ان کے مادۂ سال ولادت "تاریخ" میں از راہ شوخی ایک الف بڑھا کر اپنا مادۂ تاریخ ولادت "تاریخا" قرار دیا ۔"

میرزا نے چند کتابوں کی تاریخیں ایک ایک ٹکڑے سے نکالی ہیں ۔

ایک تفسیر کے اختتام کا سال "ختم الصحائف" سے نکالا ہے ۔ قطعہ مبسوط ہے ، تاریخی شعر یہ ہے :

آورد (۱) و گفت کاین گہر آگین صحیفہ را
"ختم الصحائف" آمدہ تاریخ اختتام

ایک مثنوی کے اتمام کا سال اس طرح کہا ہے :

درخشندہ (۲) برق ز جیب خیال کہ "کار عظیم" است تاریخ خیال

برہان قاطع کی تاریخ "درس الفاظ" سے نکالی ہے :

۱ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۳۲۸ ۔
۲ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۳۲۲ ۔
۳ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۳۲۳ ۔
۴ ۔ دیوانِ غالب اردو ، نسخۂ عرشی ، طبع انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ صفحہ ۳۶۴ ۔

یافت (۲) چوں گوشمال ایں تحریر　　آنکہ برہان قاطعش نام است
شد مسمی بہ قاطع برہان　　"درس الفاظ" سال اتمام است

۱۲۷۶

تکشیف حکمت کے اختتام کا سال "نسخۂ تحفہ" سے برآمد کیا ہے ۔ قطعہ مبسوط ہے ، تین شعر پیش کیے جاتے ہیں :

سلیم خان کہ وہ ہے نور چشم واصل خاں
حکیم حاذق و دانا ہے وہ لطیف کلام
کل اُس کتاب کے سال تمام میں جو مجھے
کمال فکر میں دیکھا خرد نے بے آرام
کہا یہ جلد کہ تو اس میں سوچتا کیا ہے ؟
لکھا(۲) ہے "نسخۂ تحفہ" یہی ہے سال تمام

۱۲۷۹

غالب کے ہاں چند تعمیرات کی تاریخیں بھی ملتی ہیں ۔ مسجد دہلی کی تعمیر کی تاریخ "کعبہ نظیر" سے نکالی ہے :

اعتماد الدولہ(۱) کز افراط جود　　ہست در پیش کفش قلزم غدیر
دیدہ در حامد علی خان کز صفا　　بینند اسرار ازل را در ضمیر
ساخت در دہلی ہمایوں مسجدی　　تا شود طاعت گہ برنا و پیر
غالب آں طوطی نشیمن عندلیب　　زد بانداز سخن سنجی صفیر
شد نظیر کعبہ در عالم پدید　　سال تعمیرش بود "کعبہ نظیر"

۱۲۵۷

تعمیر در کی تاریخ کتنی برجستہ ہے :

نہادہ (۲) بنا احسن اللہ خان　　سر راہ بدانساں در دلکشا
کہ غالب پی سال تعمیر او　　رقم زد "در دلکشا حبذا"

۱۲۷۰

تاریخ تعمیر امام باڑہ برست ضلع کرنال پورے مصرع میں ہے ۔ مادۂ تاریخ کتنا لطیف اور برمحل ہے :

گلی (۲) ز گلبن حیدرؓ شگفت در عالم	بباغ آل نبیؐ حامد علی بہ سخا
بابر فیض دل سنگ را نماید آب	بلطفِ بلبلِ تصویر را کند گویا
بنا نمود چو قصری پی عزائے حسینؑ	زبہر رواق بلند است نالۂ زہراؑ
چو آہ داشت ستونش دگر خمِ محراب	دہد جیاد بلال مہ محرم را
برائے سال بنایش بگریہ ہاتف گفت	مکان ماتم آل عباؑ متین بنا

۱۲۴۹

ایک مکان کی تعمیر کی تاریخ کتنی شگفتہ ہے :

(۲) جان جاکوب آں امیر نامور	دست وی آرائش تیغ و نگیں
ساخت زانسان منظری کز دیدنش	حور گفت احسنت و رضوان آفریں
در بلندی افسرِ فرقِ سپہر	در صفا گلگونۂ روی زمین
غالب جادو دمِ نازک خیال	کش بود اندیشہ معنی آفریں
گفت تاریخِ بنائے آں مکان	آسمانی پایہ کاخ دل نشیں

۱۲۴۵

سالم الاعداد سے بھی کہیں زیادہ تعداد ان قطعات کی ہے جو بطرز معما کہے گئے ہیں ۔

(۱) تعمیۂ داخلی :

تاریخ تعمیر امام باڑہ سراج الدین علی خان قاضی القضات :

چوں شد بصحن مدفن خانِ بزرگوار	طرح امام باڑۂ عالی سپہر سا

۱ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۳۳۲ ۔
۲ ۔ باغ دودر ، قطعہ نمبر ۱۲ ، صفحہ ۱۱ ، طبع پنجاب یونیورسٹی لاہور ۔
۳ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۳۳۲ ۔
۴ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۳۳۳ ۔ ۳۳۲

رضوان ز خلد نور بر آں بام و در فشاند　　تا گشت سنگ و خشت چو آئینہ رونما

رحمت پئ بساط دراں بزم تعزیت　　آورد اطلس سیہ از سایۂ ہما

رفتم نیازمند بہ پیش سروش فیض　　گفتم کہ پردہ از رخِ تاریخ بر کشا

در "تعزیت سرای" بزد "نالہ" و بگفت
(۱۱۵۸)　(۸۶)

اینست ساز نغمہ تاریخ این بنا(۱۲۴۴ھ)

"تعزیت سرای" کے اعداد ۱۱۵۸ ہوتے ہیں ۔ چوں کہ سال مطلوبہ سے ۸۶ اعداد کی کمی تھی اس لیے "بزد نالہ" کہہ کر "نالہ" جس کے ۸۶ عدد ہوتے ہیں ، شامل کر کے تاریخِ بنا برآمد کی ہے ۔

تاریخ بنائے چاہ :

---

۱ ۔ "تعمیہ بمعنی و آراستن و پنہاں کردن و پوشیدن چیزے را و بمعنی ساختن چیزے کہ قدرے غریب نماید و بمعنی معما گفتن از معنی اول و ثانی مجاز است" (ملخص تسلیم صفحہ ۲۸ ، از منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی طبع مراد آباد)

اصطلاح فن جمل میں تعمیہ وہ ہے کہ جس کے ذریعے مادہ تاریخ کے اعداد ، خواہ وہ زیادہ ہوں یا کم ، مناسب طریقے اور مؤثر انداز سے پورے کیے جاتے ہیں ۔

تعمیہ داخلی آں باشد کہ اگر در اعداد مطلوبہ کمی رو دہد عدد حرفے از لفظے کہ دلچسپ و مناسب مقام باشد داخل نماید" (ملخص تسلیم صفحہ ۲۸) اگر سال مطلوبہ سے کچھ عدد کم ہوں تو کسی ایسے لفظ کے حرف سے کہ جس سے وہ کمی پوری ہو سکتی ہو ، بھرتی کریں ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ عمل دلچسپ اور مناسب ہو ؛ مثلاً جب نواب آصف الدولہ نے حافظ رحمت خان پر فتح پائی تو کسی بزرگ نے مادۂ تاریخ میں تعمیۂ داخلی سے کام لے کر سال مطلوبہ برآمد کیا ۔

چوں شد نواب بر اعدا ظفریاب　　ملائک مژدہ در عالم دمیدند

ہم از لفظ ظفر جستند تاریخ　　پے ساقی سر حافظ بریدند
۱۱۸۰　۸　۱۱۸۸

اس تعمیۂ داخلی میں واقعہ کی جانب اشارہ ہے اور علاوہ معنی ظاہری کے لفظ "حافظ" ایک اور لطف دے رہا ہے اس لیے کہ باعث جنگ بقیہ زر معاہدہ تھا ۔

(ملہم تاریخ از ساحر سہسوانی طبع مرادآباد صفحہ ۲۹)

۲ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، صفحہ ۲۲۲ ۔

آں میجر فرزانہ کہ موسوم بجان است
واں راست دم دانش و ولائی دریافت
فرمودہ پی کندن چاہے کہ دراں نیست
آبی کہ سکندر بہوس جست و خضر یافت
خود چشمۂ فیض ابدی گفت بغالب
بنوشت چوں آں دل شدہ از راز خبر یافت
بستودہ و دریں قطعہ در آورد و ہماں وقت
تاریخ دگر نیز بامعان نظر یافت
"خرشید زمین" گفت دریں زمزمہ "دل" بست
۱۲۲۱ ۳۴
ویں تعمیہ تراز گنج گہریافت (۱)

"خرشید زمیں" میں "دل" کے اعداد بڑھا کر سال مطلوبہ (۱۲۲۵) حاصل کیا ہے۔

تاریخ ورود نواب گورنر جنرل بہادر بدہلی۔ قطعہ مبسوط ہے، تاریخی شعر یہ ہے:

گفت نواب ز آغاز و ز انجام "ورود"
۶ ۴
از (۲) کرم جان بتن خلق دمیدن دارد
۱۸۳۱ = ۱۰+۱۸۲۱

آخری مصرعے کے اعداد ۱۸۲۱ نکلتے ہیں۔ ۱۰ عدد کم تھے۔ آغاز و انجام ورود کہہ کر لفظ "ورود" جس کا آغاز 'و' ہے اور جس کے چھ عدد ہوتے ہیں اور انجام 'د' ہے جس کے عدد ۴ ہوتے ہیں، ۱۸۲۱ میں شامل کر کے ۱۸۳۱ سال مطلوبہ حاصل کیا گیا ہے۔

۱۔ کلیات غالب فارسی، جلد اول، طبع مجلس ترقی ادب لاہور، صفحہ ۔ ۲۲۳
۲۔ کلیات غالب فارسی، جلد اول، طبع مجلس ترقی ادب لاہور، صفحہ ۲۱۹۔

تاریخ ولادت فرزند سید غلام بابا خان :

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چاردہ — بر فرازِ لوج گردوں گردۂ تمثال اوست

فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب — از سر ناز و طرب فرزند فرخ سال اوست

۱۲۸۰ = ۱۲۲۱+۹+۵۰

" ناز کے نون کے پچاس اور طرب کی طو کے نو فرزند فرخ پر بڑھانے ہوں گے "

(خط بنام منشی میاں داد خان سیاح ، محررہ ۱۶ اگست ۱۸۶۳ء)

تاریخ طوی کتخدائی شاہ سلیمان جاہ پادشاہ اودھ ۔ قطعۂ تاریخ مبسوط ہے ۔ آخری اشعار جن سے تاریخ برآمد ہوتی ہے ، درج ذیل ہیں ۔ ان میں ایک تاریخ سال ہجری پر دلالت کرتی ہے اور دوسری سن عیسوی پر :

زد رقم "بزم عشرت پرویز" — وینکہ گفتم بود ز روی وصال

۱۲۴۴ — ۶

(۱۲۵۰ھ)

ور تو خواہی کہ آشکار شود — نقش اندازہ مسیحی سال

"شاہد بخت بادشاہ" نویس — وانگہش بر فزای "حسن کمال" !

۱۶۲۵ — ۲۰۹

(۱۸۳۴ء)

پہلی تاریخ میں "بزم عشرت پرویز" کے اعداد میں وصال کی واو کے چھ عدد شامل کر کے سال مطلوبہ ۱۲۵۰ حاصل کیا ہے ۔ اور دوسری تاریخ میں "شاہد بخت بادشاہ" کے اعداد ۱۶۲۵ ہوتے ہیں ۔ ۲۰۹ اعداد کی کمی کو "حسن کمال" کہہ کر سال عیسوی (۱۸۳۴) برآمد کیا ہے ۔

تاریخ اتمام کتاب گلشن بے خار :

---

۱ ۔ اردوے معلیٰ ، صفحہ ۲۴ ، طبع مجتبائی دہلی ۔

۲ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول صفحہ ۲۲۲ پر "حسن کمال" کی جگہ "جشن کمال" سہواً تاپ ہو گیا ہے ۔

۳ ۔ باغ دودر صفحہ ۳ ، طبع پنجاب یونیورسٹی پریس ۔

غالب اس رنگیں کتاب گلشن بے خار نام
رو کش جنات تجری تحتہا الانہار ہست
گر کسے لب تشنۂ تاریخ اتمامش بود
جو بہای آب ہم در گلشن بے خار ہست

۳۸ + ۱۲۱۳ = ۱۲۵۱

"جو بہای آب" کے اعداد "گلشن بے خار" میں بڑھا کر تاریخ برآمد کی ہے ۔ لیکن گلشن بے خار کا سال اتمام ۱۲۵۰ ہے ، ۱۲۵۱ نہیں ۔ غالب کے مادۂ تاریخ میں ایک عدد بڑھ گیا ہے ۔ قیاس(۱) غالب ہے کہ شیفتہ نے تذکرے میں کچھ اضافہ کیا ہو اور یہ کام ۱۲۵۱ ہی میں پایہ تکمیل کو پہنچا ہو گا ۔

تاریخ فوت ذوق :

(۲) گویند رفت ذوق ز دنیا ستم بود
کان گوہر گراں بہ تہہ خشت و گل نہند
تاریخ فوت شیخ بود "ذوق جنتی"

۱۲۶۹

---

۱ ۔ "اس کارنامہ در ابتداے سال ہزار دو صد و چہل و ہشت از ہجرت بودہ و انتہا در انتہاے ہزار صد و پنجاہ" (دیباچہ گلشن بے خار صفحہ ٦ ، طبع نولکشور لکھنؤ اشاعت ۱۳۲۸ھ) اس خیال کی تائید "باغ دودر" مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی صاحب کے تحقیقی اشارات سے بھی ہوتی ہے ۔ راقم الحروف کو یہ مرتبہ نسخہ اشاعت سے پہلے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا ۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے : "اس تباین کا حل یہ ہے کہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ میں مکمل ہو چکا تھا اور شعرا نے تاریخیں بھی کہہ کر دے دی تھیں ۔ لیکن ۱۲۵۱ھ میں شیفتہ نے تذکرے میں کچھ اضافہ کیا جس کی بنا پر غالب نے ۱۲۵۱ھ کو سال تکمیل قرار دے کر قطعۂ تاریخ کہا ۔ ہمارے اس قیاس کی تائید غالب کے ایک فارسی خط سے ہوتی ہے جس کے مکتوب الیہ شیفتہ ہیں ۔ یہ خط پنج آہنگ (طبع اول صفحہ ۵۱) میں شامل ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیفتہ نے تذکرے کا مسودہ مکمل کر کے تقریظ کی فرمائش کے ساتھ غالب کو بھیجا تھا ۔ غالب نے مسودہ واپس کر کے احمد بیگ تپاں کا ذکر تذکرے میں اضافہ کرنے کی درخواست کی تھی ــــ لیکن قیاس کہتا ہے کہ اس سال کچھ اور اضافہ ہوا ہو گا ۔ یا پھر اپنی تقریظ کے اضافے کی بنا پر غالب نے ۱۲۵۱ کو سال تکمیل قرار دیا (مخطوطہ باغ دودر) ۔

۲ ۔ باغ دودر ، صفحہ ۳٦ ، قطعہ ۲۷ ۔

برقول من رواست کہ احباب دل نہند

(۱۲۷۱ھ)

"ذوق جنتی" کے اعداد ۱۲۶۹ ہوتے ہیں ۔ 'احباب دل' نہند کہہ کر لفظ احباب کا دل جو 'ب' ہے ، اس کے دو عدد شامل مادہ کر کے سال وفات ۱۲۷۱ حاصل کیا ہے ۔

تاریخ وفات نواب میر جعفر علی خان :

گردید نہاں مہر جہانتاب دریغ — شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ
این واقعۂ راز روی زاری غالب — تاریخ رقم کرد کہ "نواب دریغ"

۷ — ۱۲۷۳

(۱۲۸۰ھ)

اس تاریخ کے متعلق غالب اپنے ایک خط یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء میں نواب میر بابا خان کو لکھتے ہیں :

"از روی زاری میں زاے ہوز کے عدد (۷) بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ھ سنہ پیدا ہوتے ہیں ۔"

"نواب دریغ" کے ۱۲۷۳ عدد نکلتے ہیں ، سات عدد کم تھے ، از روی زاری سے اشارہ کر کے یہ کمی پوری کی گئی ہے ۔

تاریخ وفات مریم مکانی بانوے شاہ اودھ(۲) :

---

۱ ۔ اردوے معلی ، صفحہ ۵ ، طبع مجتبائی دہلی ۔

۲ ۔ باغ دودر ، صفحہ ۴ ۔ اسی مضمون کی ایک تاریخ امیر مینائی نے خاتون زاہد حسین زاہد سہاورن پوری کی وفات پر کہی ہے :

رتبۂ خاتون زاہد دیکھ امیر — آج کیا جنت میں اس کا پایہ ہے
ہے سیادت کی بدولت یہ شرف — چتر سر پر فاطمۂ کا سایہ ہے

۱۳۱۲ھ

(مکاتیب امیر مینائی ، مرتبہ احسن اللہ ثاقب ، صفحہ ۲۱۲)

غالب اور امیر مینائی کی تاریخوں میں یہ فرق ہے کہ غالب نے قطعے کے پہلے مصرع سے تاریخ صوری اور آخری مصرع سے تاریخ معنوی از روے نیاز کہہ کر برآمد کی ہے ۔ امیر مینائی کی تاریخ پورے مصرعے میں ہے ۔

در ہزار و دو صد و شصت و شش از دنیا گزشت
بانوی شاہ اودھ مریم مکانی نام او
آنکہ چوں بالاے بام کاخ شستی روی خویش
آب حیوان ریختی از ناودان بام او
مردنش ہم بر کمال حسن او آمد دلیل
چو مہ کامل بدبر از نور پر شد جام او
در نورد رہروی شد سامرہ منزل گہش
خود اساس آن زمیں بود از پی آرام او
گفت غالب سال فوتش لیکن از روی نیاز

۵۰

باد با بنت رسول ہاشمی انجام او

۱۳۶۶ = ۱۲۱۶+۵۰

"باد بابنت رسول ہاشمی انجام او" کے اعداد ۱۲۱۶ ہیں ۔ واقعہ چوں کہ ۱۳۶۶ کا ہے ، اس لیے پچاس عدد کم تھے ، جسے مرزا نے از روی نیاز کہہ کر نیاز کے نون کے پچاس عدد شامل کر کے سال وفات برآمد کیا ہے ۔

تاریخ وفات فتح النساء بیگم جناب عالیہ :

جناب عالیہ از بخشش حق بفردوس بریں چو کرد آرام
سخن پرواز غالب سال رحلت "خلود خلد" گفت از روی الہام

۱ ۱۲۷۴

۱۲۷۵

"خلود خلد" کے ۱۲۷۴ اعداد ہیں ۔ ایک عدد کی کمی تھی جسے از روی الہام کہہ کر پورا کیا گیا ہے ۔ اسی تاریخ کے متعلق خود غالب کی یہ راے ہے کہ "اگرچہ ایک کا تعمیہ ہے لیکن تعمیہ کتنا خوب اور بے تکلف ہے ۔"

(مکاتیب غالب مرتبہ عرشی صفحہ ۱۳)

تعمیۂ خارجی :

تاریخ غدر :

چوں کرد سپاہ ہند در ہند با انگلسیاں ستیز بے جا
تاریخ وقوع ایں وقائع واقع شدہ "رستخیز بے جا"

۱۲۷۳ = ۴ − ۱۲۷۷

"رستخیز" کے اعداد سے بے جا کہہ کر "جا" کے اعداد کا استادانہ تخرجہ کیا ہے ۔

غالب کے ہم عصر مومن نے بھی ذیل کی تاریخوں میں استادانہ تخرجہ کیا ہے :

۱ جنازہ اٹھایا فرشتوں نے آ تو "قد فاز فوزاً عظیما" کہا
٦٦

۱۲۴۱ = ٦٦ − ۱۳۰۷

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے کہی تاریخ "دختر مومن"
۸۱

۱۲۵۹ = ۸۱ − ۱۳۴۰

پہلی تاریخ میں "قد فاز فوزاً عظیما" کے اعداد میں سے "جنازہ" کے اعداد نکالے ہیں اور دوسری تاریخ میں "دختر مومن" سے "نال" کے اعداد کا تعمیۂ خارجی یعنی تخرجہ کیا ہے ۔ دونوں تاریخیں لاجواب ہیں ۔

تاریخ وفات میر فضل علی مغفور(۱) :

چو میر فضل علی را نماندہ است وجود
۱۲۷۰

تو روی دل بخراش اے اسیر رنج و محن
چو شدہ وجود کم و روی دل خراشیدہ
۴ ۱۹

---

۱ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، صفحہ ۵۰۵ ۔

۲ ۔ کلیاتِ مومن ، جلد دوم ، صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۱۲۰ ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ۔

شود زاسم خودش سال رحلتش روشن

"میر فضل علی" جس کے عدد ۱۲۷۰ ہوتے ہیں، ان میں سے "وجود" کے ۱۹ اور "روی دل" یعنی 'و' کے ۶ عدد نکالنے کے بعد سال وفات ۱۲۴۷ حاصل کیا ہے۔

تاریخ وفات ذوق(۲) :

تاریخ وفات ذوق غالب ! باخاطر در صف مایوس
خون شد دل زار تا نوشتم خاقانی ہند مرد افسوس

۱ ۱۲۷۲ - ۱ = ۱۲۷۱

"خاقانی ہند مرد افسوس" کے ۱۲۷۲ اعداد ہوتے ہیں۔ چوں کہ واقعہ ۱۲۷۱ کا ہے اس لیے ایک سال زیادہ تھا۔ اس کو خون شد دل زار کہہ کر راز کا دل (الف) جس کا ایک عدد (۳) ہوتا ہے، کم کیا ہے۔

تاریخ وفات میر حسین ابن علی(۱) :

حسین ابن علی آبروے علم و عمل
کہ سید العلما نقش خاتمش بودے
نماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر

۵

---

۱ ۔ کلیات غالب فارسی، جلد اول، صفحہ ۲۲۵، طبع مجلس ترقی ادب لاہور۔
۲ ۔ بلاغ دودر، صفحہ ۱۲۔
۳ ۔ اسی طرز کی ایک تاریخ راقم الحروف کی ہے :

زندگانی خضر کی اس موت پر قربان ہے
پا گئے مر کر حیاتِ جاوداں اصغر حسین
جان جب نکلی بہادر کی تو رحمت نے کہا
جام پیمانے ارم میں نوجواں اصغر حسین

۱۹۳۸ - ۱ = ۱۹۳۷ء

"بہادر" (ب ہ ا د ر) کی جان الف ہے۔ ایک عدد کا تجزیہ کر کے مطلوبہ سال (۱۹۳۷) برآمد کیا ہے۔

غم حسین علی سال ماتمش بودے

۱۲۷۸ - ۵ = ۱۲۷۳

"غم حسین علی" کے اعداد سے پانچ (۵) کا تخرجہ کر کے سال وفات ۱۲۷۳ھ برآمد کیا ہے ۔

تاریخ وفات میرزا یوسف(۲) :

ز سال مرگ ستم دیدہ میرزا یوسف
کہ زیستی بجہاں در ز خویش بیگانہ
یکی در انجمن از من ہمی پژوہش کرد
کشیدم آہی و گفتم "دریغ دیوانہ"

۱۲۹۰ - ۱۶ = ۱۲۷۶

۱۲۷۶ھ

"دریغ دیوانہ" جس کے اعداد ۱۲۹۰ ہوتے ہیں ، ان میں سے آہی کے ۱۶ عدد کم کر کے ۱۲۷۶ سال وفات برآمد کیا ہے ۔

تاریخ نمائش گاہ رام پور (۳) :

نمائش گہے در خور شان خویش بر آراست نواب عالی جناب
بہ بین چوں طرب را نہایت نماند بود سال آں "بخشش بے حساب"
خدایا ! پسند و خداوندگار کہ از طبع غالب رود پیچ و تاب

---

۱ ۔ اس تاریخ کے متعلق غالب اپنے ایک خط میں شفق کو لکھتے ہیں : "آپ کو معلوم ہو گا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا ۔ یہ چھوٹے بھائی تھے ۔ مجتہد العصر لکھنؤ کے ۔ نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلما نقش نگیں ، میر حسین ابن علی ۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی ، اس میں پانچ بڑھتے ہیں ۔ یعنی ۱۲۷۸ ہوتے تھے ۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا ۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہے ۔ دیکھیں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں" (اردوے معلیٰ صفحہ ۲۳۶ ۔ ۲۲۷ طبع مجتبائی دہلی) ۔

۲ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، صفحہ ۲۳۳ ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ۔

۳ ۔ مکاتیب غالب ، مرتبہ عرشی ، صفحہ ۷۰ ۔ سبد چین ، صفحہ ۶ پر اس قطعے کے چھ شعر درج ہیں ۔

"بخشش بے حساب" کے ۱۲۸۵ ہوتے ہیں ۔ "طرب" کی نہایت بای موحدہ ہے ۔ جب وہ نہ رہی تو دو عدد گھٹے ، اور ۱۲۸۳ رہ گئے ۔ اگر حضرت کی مرضی ہو تو "دبدبۂ سکندری (۱)" میں یہ تاریخ چھاپی جائے ۔ " (خط بنام نواب کلب علی خان بہادر ، ۱۴ مالہ اپریل ۱۸۶۷ء) ۔

تاریخ ترک مشروب خوری (۲) :

ہر شب بقدح ریختہ ای بادۂ گلفام
آری ز دو سی سال مرا قاعدہ ایں بود
شش روز شد اینک کہ بمی دسترسم نیست
شد غم زدہ تر دل کہ ازیں پیش حزیں بود
امشب چہ سرایم کہ شب اول گور است
شش روز بہ بیتابی و تلواسہ جنین بود
ناگاہ در آن وقت کہ در قطع رہ عمر
از من دو قدم تا بدم بازپسیں بود
یک رہ دو تن (۳) از شرب میم منع نوشتند
وان منع نہ از بغض بل از غیرت دین بود
ہر چند بداں منع من از می نگزشتم
اما دم گیرای عزیزان بکمین بود
دانی کہ چہ شد چون زر سوداگر صہبا
کش داد و ستد با من ویرانہ نشین بود
بگذشت ز اندازۂ بایست بمن گفت
دیگر ندہم بادہ کہ معمول نہ ایں بود

---

۱ ۔ دبدبۂ سکندری جو رام پور کا پہلا اخبار ہے ، انھی (نواب کلب علی خاں بہادر) کے ایما سے ۱۲ جمادی الآخر ۱۲۸۳ ہجری ، مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۶ء) سے ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا ۔ (مکاتیب غالب ، مرتبہ عرشی ، صفحہ ۳۵) ۔

۲ ۔ آج کل ، دہلی ، ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء ۔ بارغ دودر ، صفحہ ۳۱ ، ۳۰ ۔

۳ ۔ "دو" سے مراد غالباً حکیم محمود خان اور حکیم احسن اللہ خان ہیں ۔

با کاسۂ خالی چہ کند کیسۂ خالی
تا خواستہ در خواستہ دل صبر گزین بود
گر زر بوواز جای دگر می طلبیدم
کو نقد درآن وست کہ پشتش بزمیں بود
در غرۂ شعبان چوز من بادہ گرفتند
خود "غالب پژمردہ" نشانی ز سنیں بود

۱۲۹۱

روشش بدر آر از مہ شعبان کہ دریں جا
مقصود من از تخرجہ البتہ ہمیں بود

۱۲۸۵ = ۶ - ۱۲۹۱

"غالب پژمردہ" کے عدد ۱۲۹۱ ہوتے ہیں ۔ "شش بدر آر" کہہ کر ۶ عدد کم کر کے مطلوبہ سال حاصل کیا گیا ہے ۔

یہ قطعہ تاریخ غالب نے سہ شنبہ یکم شعبان ۱۲۸۵ھ (مطابق ۱۷ نومبر ۱۸۶۸ء) سے ترک شراب کی تقریب میں شب ہفتم شعبان ۱۲۸۵ھ (مطابق شب بست و سوم نومبر ۱۸۶۸ی) کو نظم کیا تھا ۔ یہ منظومہ نہ صرف اس لیے اہم ہے کہ غالب کی زندگی کے ایک انقلابی نقطے کا پتہ دیتا ہے ، بلکہ اس لیے بھی اہم ہے کہ نظم میں اس عظیم شاعر کی یہ آخری نگارش ہے ۔ اس کے بعد کی کوئی نگارش ہمارے علم میں نہیں ۔ اس قطعے کا ماخذ "سبد باغ دودر" ہے جو غالب کی فارسی نظم و نثر کے نایاب

- اس قطعۂ تاریخ کے متعلق راقم الحروف نے جناب سید وزیرالحسن عابدی سے استفسار کیا تھا ۔ انھوں نے کمال مہربانی سے میرے استفسار پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ تحریر فرمایا : "حبیب بسیار کرامیم منہاس صاحب ! سلام مسنون ۔ باغ دودر ، صفحہ ۱۹۲ (تعلیقات) کے آخری پیراگراف میں راقم نے ۱۲۸۵ھ اس بنا پر برآمد کیا ہے کہ تخرجہ سال کے لیے ہے اور اس میں لطف یہ ہے کہ مہینے (شعبان) کی تاریخ کی طرف بھی اشارہ ہے اور بڑا لطیف اشارہ ہے ۔ جس کی بنیاد یہ ہے کہ قطعہ ساتویں شعبان کو لکھا ہے ، ورنہ "بدر آر از مہ شعبان" مہمل ہے ۔ "شش بدر آر" ہوتا ۔ "شش بدر آر" کا نکتہ بے حد اہم ہے ۔ والسلام ۱۲

عابدی

۲۷ ستمبر ۱۹۶۸ء

ذخیرے پر مشتمل ہے۔ میرے پاس اس مجموعے کا اصل نسخہ بھی موجود ہے جس کی کتابت مصنف کی زندگی میں ۱۲۸۳ھ (مطابق ۶۷۔۱۸۶۶ء) میں شروع ہوئی تھی اور مصنف کی وفات کے ایک سال چار مہینے بائیس دن بعد، ربیع الآخر ۱۱۸۷ھ (مطابق ۷ جولائی ۱۸۷۰ء) کو ختم ہوئی۔ مگر اس مجموعے کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ "سبد باغ دودر" غالب کا رکھا ہوا تاریخی نام ہے۔ جس سے آغاز کتابت کا سال ۱۲۷۳ھ حاصل ہوتا ہے، جیساکہ خاتمے کی عبارت میں درج ہے۔ کاتب نے یہ نسخہ غالب کے شاگرد منشی ہیرا سنگھ کھتری کی فرمائش پر لکھا تھا۔ یہ منشی ہیرا سنگھ حوض قاضی کے قریب گندھی گلی میں رہتے تھے۔ نسخے میں بعض اشارات سے قیاس ہوتا ہے کہ اس کا بیشتر حصہ غالب کی نظر سے گزرا تھا۔"

(مخطوطہ باغ دودر، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی)

تعمیۂ داخلی و خارجی (۱)

تاریخ وفات مولانا فضل امام طاب ثراہ :

اے دریغا قدوۂ اربابِ فضل کرد سوی جنت الماویٰ خرام
کار آگاہی ز پرکار اوفتاد گشت دارالملک معنی بی نظام
چوں ارادت از پی کسب شرف جست سال فوت آں عالی مقام

۱۔ جب کسی مادۂ تاریخ میں تخرجہ و تدخلہ دونوں کا عمل ہو، یعنی مادے میں تعداد گھٹانے بھی جائیں اور بڑھانے بھی جائیں تو اس کو تعمیہ داخلی و خارجی کہتے ہیں۔ نعمت علی خان نے فتح گولکنڈہ کی تاریخ اس صنعت میں کہی :

زہق الباطل ست و جاء الحق معنی فتح شاہ عالم گیر
سال تاریخش از خرد جستم ایں چنین گفت عقل خوش تقریر
بوالحسن داشت جا بچار محل بدرش کرد زاں میاں تقصیر
چوں بروں رفت او بجاش نشست شاہ اورنگ زیب عالمگیر

(۱۰۹۸ھ)

چار محل کے عدد ۲۸۲ ہیں جن میں سے بوالحسن کے عدد ۱۵۷ کا تخرجہ کرنا چاہیئے۔ باقی ماندہ ۱۲۵ عدد کو مصرع تاریخ کے ۹۷۳ عدد میں داخل کرنا چاہیے۔ مجموعہ ۱۰۹۸ ہو گا۔ یہی سنہ مطلوب ہے۔ والہ داغستانی نے اپنی تالیف تذکرۃ الشعرا کی تاریخ اسی طریقے پر کہی ہے جو ۱۱۶۱ ہجری میں لکھا گیا :

چہرۂ ہستی خراشیدم نخست تابنای تخرجہ گردد تمام

گفتم اندر "سایۂ لطفِ نبیؐ" بعد آرامشگہ "فضل امام"

۲۵۷ ۹۹۲

"سایۂ لطف نبیؐ" کے اعداد ۲۵۷ میں "فضل امام" کے اعداد ۹۹۲ جمع کرنے سے ۱۲۴۹ حاصل ہوتے ہیں ۔ "چہرۂ ہستی" خراشیدم کہہ کر ہائے ہوز جس کے ۵ عدد ہیں ، کم کیے گئے ہیں جس سے سال مطلوبہ ۱۲۴۴ حاصل ہوتا ہے ۔

تاریخ وفات فرزند علاؤالدین خان (۲) :

در گریہ اگر دعوئ ہم چشمئ ما کرد
یعنی کہ شود ابر بہاری خجل از ما
ناچار بگرئیم شب و روز کہ ایں سیل
باشد کہ برد کالبد آب و گل از ما
گفتی کہ نگہدار دل. از کش مکشِ غم
خود گرد برآورد غمِ جاں گسل از ما

این تذکرہ چوں طرب فزاے دل شد
تاریخش را ز دل خرد سائل شد
گفتا ز ریاض الشعرا رفت خزاں
در وی چو بہار سر زدہ داخل شد

(۱۱۶۱ھ)

"ریاض الشعرا" کے اعداد ۱۶۱۳ سے "خزاں" کے اعداد ۶۵۸ کا تخرجہ کیا جائے تو ۹۵۵ باقی رہتے ہیں ۔ پھر اعداد لفظ "بہار" ۲۰۸ میں سے بلحاظ الفاظ "سر زدہ" ب کے ۲ عدد کم کر کے باقی ماندہ ۲۰۶ کو ۹۵۵ میں داخل کریں تو ۱۱۶۱ حاصل ہوتے ہیں (غرائب الجمل ، صفحہ ۱۶۹-۱۶۸ طبع حیدر آباد دکن) ۔

۱ ۔ کلیات غالب فارسی (جلد اول) طبع مجلس ترقی ادب لاہور ۔

۲ ۔ کلیات غالب فارسی ، جلد اول ، صفحہ ۳۳۳ ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ۔

غالب نے علاء الدین احمد خان کے نام خط مکتوبہ ۲۷ رمضان ۱۲۷۳ھ میں لکھا ہے اور حساب یہ لکھتے ہیں : "ما" کے عدد ۴۱ "دل" کے عدد ۳۴ ۔ "ما" میں سے "دل" گیا ، گویا ۴۱ میں سے ۳۴ گئے ، باقی رہے سات ، وہ "داغ پسر" پر بڑھائے ، ۱۲۷۳ ہاتھ آئے ۔ (اردوے معلیٰ ، صفحہ ۳۲۱ ، طبع کریمی لاہور) ۔

یحییٰ شدہ از شعلۂ سوز غم ہجرش
چوں شمع دود بہ سر متصل از ما
غم دیدہ نسیمی پئ تاریخ وفاتش
بنوشت کہ در "داغ پسر" سوخت "دل" از "ما"

(۱۲۷۴ھ)

غالب نے قطعے کے آخری مصرع "بنوشت کہ در داغ پسر سوخت دل از ما" سے ۱۲۷۴ سال مطلوبہ حاصل کیا ہے ۔ یہ تعمیۂ داخلی و خارجی کی ایک اچھی مثال ہے ۔

تاریخ بنائے گرمابہ :

احترام الدولہ فرمان داد تا دلکشا گرمابۂ انجام یافت
بامدادان رفت آں جا بہر غسل آنکہ در گفتار غالب نام یافت
قطعۂ تاریخ آں فرخ بنا ہم در آنجا صورت ارقام یافت

شست پا چوں "راحت" و "آرام" جست
۳ ۶۰۹ ۲۴۲

ہر دو را در "گوشۂ حمام" یافت
۴۲۰ (۱۲۶۸)

"گوشۂ حمام" کے اعداد ۴۲۰ ہوتے ہیں ۔ ان میں "راحت" کے ۶۰۹ اور "آرام" کے ۲۴۲ جمع کیے تو حاصل جمع ۱۲۷۱ ہوے ۔ چوں کہ ۱۲۶۸ سال مطلوب تھا اس لیے "شست پا" کہہ کر "پا" کے ۳ عدد کم کر کے سال تعمیر برآمد کیا ہے ۔

صوری (۱) :

بعض تاریخیں صوری ہیں اور اس لحاظ سے ایسی تاریخیں کہنا محنت طلب نہیں ۔ متقدمین کے زمانے میں ایسی تاریخیں شعرا کہتے چلے آئے ہیں ، یعنی

---

۱ ۔ "صوری مطلق آنکہ اعداد مظہر تاریخ اند ۔ صنعتش اینکہ از الفاظ توضیح نہ بود و ایں نوع بس سہل و خالی از لطافت شاعری و نزاکت معنی است ۔

(ملخص تسلیم ، صفحہ ۲۳ ، طبع مراد آباد)

بجاے تاریخ نکالنے کے کسی واقعے کا سنہ وقوع جوں کا توں نظم کر دیا ۔ مثلاً غالب نے فتح پنجاب کی تاریخ اسی صنعت میں یوں کہی :

۱ چوں بر ہزار و ہشت صد و چہل فزود شش

۱۸۴۶ء

نو شد شمار سال دریں کاخ ششدری

ایں قطعہ بیں کہ کرد "اسد اللہ خاں" رقم

روز دو شنبہ و دوم ماہ فروری

یہ قطعہ اکیس اشعار پر مشتمل ہے ۔ فقط پہلا اور آخری شعر نقل کیا ہے جس

اگر محض الفاظ سے تاریخ نکلتی ہو تو اس تاریخ کو تاریخ صوری کہتے ہیں جیسے میر امن دہلوی مؤلف کتاب "باغ و بہار" نے حضرت امیر خسرو دہلوی کی کتاب "چہار درویش" کا ترجمہ با محاورہ اردو زبان میں کیا ہے ۔ اس کی تاریخ صوری یہ لکھی ہے ۔

مرتب ہوا جب یہ باغ و بہار تھے سن بارہ سو سترہ در شمار

(۱۲۱۷)

(رہنماے تاریخ اردو ، صفحہ ۱۸ ، طبع معارف پریس اعظم گڑھ)

شیخ سعدی نے گلستان کی تاریخ صوری لکھی تھی :

دراں مدت کہ مارا وقت خوش بود

ز ہجرت شش صد و پنجاہ و شش بود

"ہفت قلزم" کے حوالے سے صاحب "غرائب الجمل" نے امیر تیمور کے متعلق ایک تاریخ پیش کی ہے :

سلطان تیمور مثل او شاہ نبود

در ہفتصد و سی و نہ در آمد وجود (۷۳۹ھ)

در ہفتصد و ہفتاد و یکے کرد خروج (۷۷۱)

در ہشتصد و ہفت کرد عالم پدرود (۸۰۷)

(غرائب الجمل ، صفحہ ۱۵۱ و ملخص تسلیم صفحہ ۲۳)

بعض مورخین نے سنہ مطلوب کے ساتھ تاریخ ، مہینہ اور روز تک کا اظہار کیا ہے :

چون بہ تخت سلطنت بنشست آں شاہ فریس

بستم شوال بود و ہشت صد یوم الخمیس

۲۰ ۸۰۰ جمعرات

ے مطلوبہ سال کے علاوہ قطعے کے لکھنے کا مہینہ ، تاریخ اور دن کا تعین بھی ہو جاتا ہے ۔

تذکرۂ سراپا سخن کے طبع کی تاریخ (۱۲۷۷) غالب نے صنعت عددی (۲) میں نئے انداز سے نکالی ہے ۔ اس کے متعلق غالب کا قول حسبِ ذیل ہے :

اس کتابِ طرب نصاب نے جب آب و تاب انطباع کی پائی
فکر تاریخ سال میں مجھ کو ایک صورت نئی نظر آئی
ہندسے پہلے سات سات کے دو دیے ، ناگاہ مجھ کو دکھلائی
اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا با ہزاراں ہزار زیبائی
سال ہجری تو ہو گیا معلوم بے شمولِ عبارت آرائی

اگر الفاظ سے اور نیز اعداد حروف جمل جمع کرنے سے تاریخ نکلتی ہو تو اسے تاریخ صوری و معنوی کہتے ہیں ۔ علی اوسط رشک لکھنوی نے شیخ امام بخش ناسخ کی وفات پر اسی صنعت میں تاریخ کہی ہے :

دریغا کرد رحلت ناسخ معجز بیاں
انتقالش داد عالم را غم جانکاہ وائے
یک ہزار و دو صد و پنجاہ چارم سال بود
بود از ماہ محرم پنجمیں آں ماہ وائے
رشک روز مرگ تاریخ سنین و ماہ گفت
بود پنجم است و چارم پنج شنبہ آہ وائے

۱۲۵۴ھ

۱ ۔ ۲۸ فروری ۱۸۳۶ء کو انگریزوں نے لاہور فتح کیا ۔ (کلیات غالب فارسی جلد سوم صفحہ ۱۶۶) ۔

۲ ۔ صنعت عددی یعنی سال مطلوبہ اعداد میں صاف صاف یا کنائے سے ظاہر کیا جائے مثلاً عقد مظفر حسین کی تاریخ صفیر مرحوم شاگرد رشک نے نکالی تھی :

کیا شب عقد مظفر ہے مبارک واہ واہ
کیا مہینہ نیک ہے کیا سال کیا دن نیک ہے
عیسوی تاریخ اس شادی کی ہے یہ اے صفیر
آٹھ کے قبل ایک ہے اور آٹھ کے بعد ایک

ہے ۱۸۸۱ء

مگر اب ذوقِ بذلہ سنجی کو ہے جداگانہ کارفرمائی
سات اور سات ہوتے ہیں چودہ بہ امید سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چاردہ معصومؑ جن سے ہے چشمِ جاں کو زیبائی
اور بارہ امامؑ ہیں بارہ جن سے ایمان کو ہے توانائی
اُن کو غالب یہ سال اچھا ہے جو ائمہؑ کے ہیں تولائی

(۱۲۷۷)

تاریخ وفات میرزا مسیتا بیگ کوتوال لکھنؤ : (۲)

ز سالِ واقعۂ میرزا مسیتا بیگ مآت راست شمار از ائمۂ امجاد
صحیفہ ہاے سماوی مبین از عشرات حدیقہ ہاے بہشتی مشخص از آحاد
بحرمت دہ و دو ہادی و چہار کتاب کہ دو نشیمنی از ہشت خلد جایش باد

(۱۲۴۸)

ولادت فرزند نواب میر ابراہیم علی خان وفا :

حق (۱) داد بہ سید ز پے انعاش فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و کاست ارشاد حسین خاں کہ باشد نامش

۱۲۸۵

(معلم تاریخ از منشی لودھم سنگھ سردار طبع خادم التعلیم پریس لاہور صفحہ ۵۲)
آگرے میں شہید ثالث کے مقبرے کے احاطے میں ایک تاریخ وفات کندہ ہے ، جو صناعی میں آپ اپنی مثال ہے

دو انگشت خم کن دو انگشت راست

۱۱۲۲

دو انگلیوں کو اٹھانے اور دو کو جھکانے سے جو تصویر سامنے آتی ہے ، اس کو بصورتِ اعداد ظاہر کیا گیا ہے ۔ چناں چہ عبدالجلیل بلگرامی نے اسے ایک مثالی نمونہ خیال کر کے ذیل کی تاریخ کہی ہے :

دو انگشت از چار انگشت خم شد

۱۱۸۸ھ

صوری تاریخوں کے یہ نمونے بڑے پرلطف ہیں لیکن غالب نے سراپا سخن کی جو تاریخ کہی ہے ، اس کا انداز سب سے جدا ہے اور غالب کی طباعی اور جدت خیالی کا ایک اعلیٰ نمونہ ۔

۱ ۔ دیوان غالب ، نسخہ عرشی ، صفحہ ۲۶۳ ۔
۲ ۔ اس تاریخ کی میرزا غالب نے اپنے ایک خط میں خود تشریح کی ہے جو انھوں نے منشی میاں داد خان

قطعۂ غالب حال سنینِ ہجری معلوم کن از "خجستہ فرزند"

۱۴۰۹

چوں یک صد و بست و چار ماند این سن شمار عمر دل بند

۱۲۴ (۱۲۸۵)

میرزا غالب کی یہ تاریخ بھی نئے انداز کی ہے ۔ انھوں نے یہ تاریخ کہنے کے لیے "خجستہ فرزند" کا جو مادہ تلاش کیا ، وہ ۱۴۰۹ اعداد کا حامل تھا ۔ ان کو ۱۲۸۵ سال مطلوب تھا ، ۱۲۴ اعداد زیادہ تھے ۔ انھوں نے خجستہ فرزند سے ۱۲۴ کا تخرجہ کیا ، لیکن جس جدت فکر سے انھوں نے یہ تخرجہ کیا ہے ، اپنی مثال آپ ہے ۔ یہ تاریخ صوری بھی ہے اور معنوی بھی ۔ معنوی اس لیے کہ مادۂ تاریخ کے اعداد بطریق جمل جوڑے گئے ہیں اور صوری اس لیے کہ جو تخرجہ کیا ہے وہ صوری انداز کا ہے ۔

ہم نے غالب کی تاریخوں کے نمونے اوپر پیش کر دیئے ہیں ۔ غالب کے متعلق یہ دعویٰ کرنا درست نہیں کہ تاریخ گوئی میں وہ یکتائے روزگار تھے ۔ لیکن یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ تاریخ نکالنے میں وہ عاجز تھے اور اس فن سے کوئی مناسبت

سیاح کو لکھا ہے :

"اثہ بارہ یعنی بارہ سو ، پھر کتب ساوی چار ۔ دہا کے چار ، یعنی چالیس ۔ بہشت آٹھ ، چالیس اور آٹھ اڑتالیس ، بارہ سو اڑتالیس ۔ دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی :

از بروج سپہر جولے مآت عشرات از کواکب و سیار

(۱۲۷۰)

برج بارہ ، دہاکے ستر ، غالب سہ شنبہ ۱۱ ۔ محرم ۳۱ جولائی سال حال ۔

(اردوے معلیٰ ، جلد دوم ، صفحہ ۳۶ ، طبع مجتبائی دہلی)

اردوے معلیٰ ، جلد اول ، صفحہ ۱۸۰ ، طبع مجتبائی دہلی)

۱ ۔ اس قطعۂ تاریخ کے متعلق غالب نے میر ابراہیم علی خان وفا کو لکھا تھا :

"یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۵ھ ہے ۔ جب "خجستہ فرزند" کے اعداد میں سے ۱۲۸۵ لے لیے تو ایک سو چوبیس بچے ہیں ، ان کو میں نے دعائے عمر مولود قرار دیا ۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبعی کو پہنچائے ۔ خط کی رسید کا طالب غالب" ۔

(اردوے معلیٰ ، جلد اول ، صفحہ ۱۸۰ ، ۱۸۱)

نہ رکھتے تھے ۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جس دور سے ان کا تعلق تھا ، تاریخ گوئی اس میں اس قدر مقبول تھی کہ شعرا جس طرح عموماً غزلیں کہتے اور قصیدے لکھتے ، اسی طرح تاریخیں بھی بر آمد کرتے تھے ۔ غالب ایک نکتہ سنج طبیعت کے مالک تھے ۔ بات سے بات نکالنا ان کا شعار تھا۔ غالب کثیر الاحباب بھی تھے ۔ ایک نمایاں شخصیت رکھنے کی وجہ سے ان کے احباب اور قدردان اس بات میں فخر محسوس کرتے تھے کہ ہر قابل ذکر موقع پر ان سے ضرور تاریخ لکھوائی جائے ، اور غالب ہزار بہانے کرتے اور حیلے تراشتے ، پھر بھی ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ اس قسم کی ہر فرمائش کو رد کر سکتے ۔ بالآخر تاریخ کہنا ہی پڑتی تھی ۔ اور جب تاریخ کہنے بیٹھتے تو ان کی شگفتہ طبیعت اور معمائی طرز فکر طرح طرح کی گلکاریاں کرتی ۔ جہاں سالم الاعداد تاریخ بر آمد نہ ہوتی ، وہاں کوئی اور صنعت کام میں لاتے اور تاریخ بر آمد کر کے ہی مانتے ۔ تاریخ گوئی سے ان کی گہری دلچسپی کا اظہار نہ صرف اس طرح ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے بہت سے معاصرین کی نسبت بہ اعتبار تعداد زیادہ تاریخیں کہی ہیں بلکہ اس طریقے پر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فن تاریخ (۱) کے متعلق انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار خطوط کے ذریعے کیا ہے ۔ ورنہ عموماً شعرا صرف تاریخ نکالنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔ مگر غالب نے اپنے خطوط میں یہ بتایا ہے کہ وہ خود کس طرح تاریخیں بر آمد کرتے ہیں ۔ اس کے باوجود یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تاریخ گوئی میں انہیں درجہ کمال حاصل تھا ۔ وہ درمیانہ درجہ کے تاریخ گو تھے ۔ یہ بات صرف غالب ہی کے متعلق نہیں کہی جا رہی ہے ، ان کے بیشتر معاصرین کی حیثیت بھی فن تاریخ گوئی میں کوئی بلند نہیں ہے ۔ اکثر شعراے دہلی نے تاریخ گوئی کسی ضرورت کے تحت کی ہے ۔ کہیں سے فرمائش ہوئی یا زور ڈالا گیا تو تاریخ کہہ دی یا کوئی واقعہ اپنی زندگی یا دور

---

۱ ۔ تاریخ گوئی میں غالب کا مقام کم از کم اتنا بلند ضرور تھا کہ کوئی فنی بحث چھڑ جائے تو ان کی رائے طلب کی جاتی تھی ۔ مثلاً تاے مدورہ اور تاے دراز کی بحث میں جب ان سے استفسار کیا گیا تو انھوں نے اپنی یہ رائے پیش کی :

"اب بہ اتباع حکم احباب جس فن کو نہیں جانتا ، اس کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سفینہ کے سوا کبھی نہیں دیکھے ۔ اب جو دیکھے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا کہ ایک گروہ

زمانہ سے متعلق اس قدر اہمیت کا حامل ہوا کہ اسے یاد رکھا جائے ، تو تاریخی قطعہ کہہ کر اس واقعہ کو محفوظ کر لیا ۔ لیکن تاریخ گوئی کا یہ کمال نہیں ہے ۔ یہ تو ایک قسم کا دستور زمانہ تھا کہ شاعر سے تاریخ کہنے کا مطالبہ بھی کیا جاتا تھا ۔ جو شعرا فن تاریخ گوئی میں یگانۂ روزگار کہلائے جا سکتے ہیں ، انہوں نے بڑی بڑی بے نظیر تاریخیں نئی نئی صنعتوں میں کہی ہیں ۔ تاریخ گوئی کا میدان بہت وسیع ہے ۔ تاریخ گوئی کے اقسام اگر گنوائے جائیں اور ہر قسم کی تاریخ کی تعریف و تشریح بھی کر دی جائے تو اس کے لیے ایک مضمون کی بجائے ایک کتاب کی ضرورت ہو گی ۔ لکھنؤ میں تاریخ گوئی کو بڑا عروج ہوا ۔ اہل کمال نے اپنے قدر دانوں سے اپنی صناعی پر خراجِ تحسین حاصل کیا ۔ مثلاً میر انیس کی وفات پر میرزا دبیر نے زبر و بینات کی صنعت میں جو الہامی تاریخ کہی ہے : ع

طور سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیس

اس کا کوئی جواب نہیں ۔ ہم غالب یا ان کے معاصرین سے ایسی بے نظیر و بے بدل تاریخ کی توقع نہیں کر سکتے ۔ جہاں تک خاص غالب کا تعلق ہے ، تاریخ گوئی ان کے لیے ایک ضمنی حیثیت کا فن ہے ۔ ان کے کمالاتِ سخن غزل اور قصیدے کے میدان میں ظاہر ہوئے ۔ تاہم ان کے قطعاتِ تاریخ سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ تاریخ گوئی کے فن سے وہ نابلد نہ تھے ۔ ان کی طباعی اور نکتہ سنجی اس فن کے آئینے میں بھی چمکتی ہے ۔

تائے دراز کے چار سو عدد اور تائے مدورہ کے پانچ عدد گنتا ہے ۔ پس نہ نواب صاحب وجیہ الدین خاں بہادر معنی اپنے دعوے میں منفرد نہ حضرت سید صاحب میر محمد ذکی اپنے دعوے میں تنہا ہیں ۔ جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل و [کذا] ہیں ، کیا جواب دوں اور ان کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں" (غالب کی نادر تحریریں صفحہ ۱۴۲ ، ۱۴۳ طبع مکتبہ شاہراہ دہلی) لیکن غالب نے اپنا جو مسلک اس بارے میں پیش کیا ہے ، وہ انتہائی روادارانہ ، یعنی یوں بھی ہے اور یوں بھی اور کوئی قطعی رائے دینے سے اجتناب کیا ہے ۔

رفعتِ تاریخ

شہزادہ اودھ مہر قدر کی یاد میں ایک مختصر سا پمفلٹ سید حسن عباس نقوی سکریٹری خاندانِ اودھ نے کوہ نور آرٹ پریس کلکتہ سے شائع کیا ہے۔ اس میں اوّل نوابینِ اودھ اور شاہانِ اودھ کا شجرہ نسب میر محمد ناصر بانی خاندان سے لے کر شہزادہ مہر قدر اور ان کی اولاد تک دیا گیا ہے ۔ پھر واجد علی شاہ (شاہِ اودھ) پر ایک مختصر مقالہ نیّر قدر متعلم یونیورسٹی کالج لنڈن کا لکھا ہوا ہے ۔ اور انہیں کا تحریر کردہ حال نواب حضرت محل صاحبہ کا بھی درج ہے ۔ سید ظفر امام ریسرچ سکالر لنڈن سکول آف اکنامکس کا مضمون برجیس قدر پر ہے ۔ آخر میں مسٹر ٹی ۔ اے مینن آئی ۔ سی ایس ریٹائرڈ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ (بھارت) نے شہزادہ مہر قدر ، کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے ۔ جس میں شہزادہ مہر قدر کے صاحبزادگان انجم قدر کوکب قدر اور نیّر قدر کا حال بھی درج ہے اور تعزیتی پیغام بھی دیئے گئے ہیں ۔ جو شہزادہ مہر قدر کی وفات پر نزدیک ودُور سے موصول ہوئے ہیں۔

شہزادہ مہر قدر نواب واجد علی شاہ اودھ کے پوتے اور آخری تاجدارِ اودھ برجیس قدر کے فرزند تھے ۔ ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کو تخت سے اتار کر کلکتہ بھیجا گیا تو شہزادہ برجیس قدر تخت کے وارث قرار پائے ۔ اور ان کی والدہ نواب حضرت محل صاحبہ ان کی والی قرار پائیں ۔ عورت ہوتے ہوئے بھی نواب حضرت محل نے میدانِ جنگ میں وہ دادِ شجاعت دی کہ انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے ۔ چنانچہ (۱۸۵۷ء ۔ ۱۸۵۸) میں برجیس قدر حریفوں کا مقابلہ کرتے رہے ۔ اور آخر اپنے خاندان کے ساتھ نیپال کی حدود میں چلے گئے ۔ لیکن انگریزوں سے مصالحت نہیں کی ۱۸۷۹ء میں بیگم حضرت محل کا انتقال کھٹمنڈو میں ہوا ۔ اس کے بعد شاہزادہ برجیس قدر نے انگلستان جا کر حکومتِ برطانیہ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے کا ارادہ کیا ۱۸۹۲ء میں جب وہ انگلستان روانہ ہونے کے لئے تیار تھے تو ان کے کسی عزیز نے ان کے بیٹے خورشید قدر ، ان کی بیٹی اور تین ملازمین کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کر دیا ۔ پھر بھی ان کے دوسرے صاحبزادے مہر قدر اس سازش میں

ہلاک ہونے سے بچ گئے ۔

شہزادہ مہر قدر ۱۸۹۳ء میں ہوے اور ۱۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے ۔ اس طرح شاہانِ اودھ کا سلسلہ جو ۱۷۲۰ء میں پیدا ہوے ۔ ۲۴۰ سال کے بعد ختم ہوگیا ۔

شہزادہ مہر قدر آزادی کے پرستار تھے ۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو انہوں نے اعلان کیا ۔ کہ اگر اودھ کی سلطنت پر میرے کچھ حقوق ہیں تو میں ان کو ہندوستان کے عوام کے نام منتقل کرتا ہوں ۔

رفعتِ تاریخ جو اس مقالے کا عنوان ہے اسی جلیل القدر شہزادہ کی وفات سے متاثر ہو کر حضرت فضل لکھنوی نے کہی ہے ۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ۔

رفعتِ تاریخ

در انتقال پُرملال شاہزادہ مہر قدر

آسماں جاہ میرزا زاہد علی یاد گار شاہ برجیس قدر مرحوم

از نتیجہ فکر "حزیں دل" فضل نقوی

"نظارا منزل" شہر لکھنؤ (انڈیا) (۱۹۶۱ء)

جعفری مسند پہ تھے برجیس سلطانِ اودھ
چہرے پر اُلجھی رہی زلفِ پریشانِ اودھ

واقعاتِ غدر نے بدلے وہ پیمانِ اودھ
رات جاتے جھلملائی شمعِ عرفانِ اودھ

گرمیِ شمعِ محبت دل سے کیا اب ہو گی کم
جنتِ تاریخ ہے چاکِ گریبانِ اودھ

کعبۂ کونین کو برجیس ضو دیتا رہا
ماہ و انجم کر گئے تیار شاہانِ اودھ

روشنی شمع میں آنسو بنے پیکِ صبا
ہو گیا تاباں گریباں شب گریبانِ اودھ

رہ بر دنیا میں ، تھے جب تک جناب مہر قدر
حق طلب باقی تھی کچھ تو عزت و نشانِ اودھ

موت نے اُن کی اندھیرا کر دیا عہد بہار
بجھ گئی کیوں روشنی ؟ صبح گلستانِ اودھ

نیرّ و کوکب اور انجم یادگارِ بوستاں
بے نشاطِ گل انھیں تاروں سے دامانِ اودھ

صاف ہر مصرع میں ہے سالِ وفاتِ مہر قدر
کیا عیاں کی فضل دُرِ علم سے شانِ اودھ

تیری آنکھوں میں بنے گی ، کیا ترے دل کے قریب
تربت دُرّ صدف، صبح غریبانِ اودھ

جناب فضل نے بڑی محنت اور کاوش سے یہ قطعۂ تاریخ کہا ہے۔ جو اِن کے اچھے مؤرخ ہونے کے لیے تمغائے کمال ہے ۔ اس زمانے میں جب ہر طرف فن سے بیگانگی کا اظہار ہو رہا ہے ۔ ایسا نادر قطعۂ تاریخ پیش کرنا جناب فضل ہی کا کام ہے ۔

آپ نے "رفعت تاریخ" میں چھبیس مادۂ تاریخ تلاش کیے ہیں۔ شروع میں نثر کے پانچ ٹکڑوں سے پانچ مادے پیش کئے ہیں جو ۱۹۶۱ء عیسوی کو ظاہر کرتے ہیں۔

قطعہ میں دس شعر کہہ کر پیش کیے ہیں ۔ پہلے نو اشعار میں اٹھارہ مادۂ تاریخ نظم کیے ہیں اور آخری شعر میں تین مادے موزوں کیے ہیں ۔ یہ اکیس مادے مختلف سنین پر دلالت کرتے ہیں ۔ ان میں سے پانچ عیسوی سال (۱۹۶۱) کو ظاہر کرتے ہیں ۔ تین (۲۰۱۸) سمت کو لیے ہوئے ہیں ۔ دو سے (۱۳۷۰) فصلی ۔ دو سے (۱۳۶۹) ف اکبری ۔ سات سے (۱۳۸۰) ہجری ۔ ایک سے (۱۸۸۳) بکری اور ایک سے (۱۳۷۹) محمدی ظاہر ہوتے ہیں ۔

ہر مصرع سے تاریخ پیدا کرنا آسان کام نہیں مخصوص طبائع ہی ایسی فکر و کاوش کی داد دے سکتے ہیں ۔ اس سے پہلے بھی اس قسم کی محنت شاقہ کی مثالیں ملتی ہیں ۔ چنانچہ آقا طہماسپ قلی نے شاہزادہ دارا شکوہ کی شادی کتخدائی کے موقع پر ایک تاریخی قصیدہ کہا ہے ۔ اس میں بیس اشعار ہیں ۔ اور چالیس مادۂ تاریخ ۔ ہر مصرع (۱۰۴۳) اعداد کا حامل ہے ۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

بحمد للّٰہ کہ شد دیگر ز سعیِ نائب سلطان (۱۰۴۳)
رواجِ التیام افزوں حدود وصل آباداں (۱۰۴۳)

حضرت قدر بلگرامی نے ایک تاریخی سہرا بتقریب عروسی صاحبزادہ ڈپٹی مرزا عباس بیگ کہا تھا ۔ جس کے ہر ایک مصرع سے مادۂ تاریخ حاصل ہوتی ہے ۔ مطلع ہے ۔

رشک شاہانہ دکھاتا ہے چمک کر سہرا (۱۸۷۷)
آئنہ منہ سند بخت سکندر سہرا (۱۸۷۷)

اس سہرے میں نو شعر ہیں اور اٹھارہ مادہ تاریخ ۔ ہر مصرع سے (۱۸۷۷) اعداد برآمد ہوتے ہیں ۔

حضرت ذکی مراد آبادی نے جلوس نواب ناصر الدولہ والی حیدرآباد کے موقع پر ایک قصیدہ کہا تھا ۔ ہر مصرع میں حروف معجمہ کے اعداد (۶۲۲) اور حروف مہملہ کے اعداد

(٦٢٢) ہیں اور دونوں کا مجموعہ (۱۲۴۴) ۔ اور یہی سنہ مطلوبِ مورخ ہے۔ قصیدہ کا مطلع ہے ۔

جوہرِ ناطق منم مشہور از حسن بیان (۱۲۴۴)
وجہ اشعارم زدل پیند کنوں کو قدرداں (۱۲۴۴)

جناب معنی مغفور نے مختار الملک کے وزیر ہونے پر ایک قصیدۂ تاریخی کہا تھا ۔ پچیس اشعار کا قیصدہ ہے ۔ اور ہر مصرع سے سال مطلوبہ (۱۲٦۹) برآمد ہوتا ہے ۔ مطلع ہے۔

بحمداللہ از افضال عزیز واہبِ سبحان (۱۲٦۹)
بشد سالار و والاشان باقبال عجب دیواں (۱۲٦۹)

طاہر نائطی نے تاریخ سرفرازی خلعت وزارت بہ سالار جنگ ثانی کے موقع پر چار مصرعوں کا ایک قطعہ کہا ۔ اور ہر ایک مصرع سے چار مختلف سنین حاصل کیے ۔

وزیر داد ور مختار دوزاں (۱۹۴۰)
بہ گیتی تا ابد باشد باقبال (۱۲۹۳)

(۱۸۸۴ء) چناں خامہ مبارک سنہ نوشتہ
(۱۳۰۱ھ) جواں بختی جواں پایہ جواں سال

کیننگ کالج لکھنؤ کی تعمیر کے موقع پر حضرت قدر بلگرامی نے پندرہ اشعار کا ایک قطعۂ تاریخی کہا ۔ تیس مادہ تاریخ ہیں ۔ ہر مصرع سے (۱۸٦۷) عدد نکلتے ہیں ۔ پہلا شعر یہ ہے ۔

گورنر جنرل عالی روش لارنس صاحب نے (۱۸٦۷)
بجدوجہد کل اٹھارہ سو سرسٹھ نومبر میں (۱۸٦۷)

آخری شعر ہے ۔

مکمل نظم وہ لکھی ہے قدر بلگرامی نے (۱۸٦۷)
ہیں سالِ عیسوی مقصود ہر اک مصرع تر میں (۱۸٦۷)

اسی طرح باقر گیلانی نے نعت رسولؐ پاک میں ایک سو اٹھتہر فقرے مسجع لکھے ہیں ۔ ہر فقرے سے تاریخ جلوس عالمگیر برآمد ہوتی ہے ۔ چوبیس اشعار کا ایک

قصیدہ بھی لکھا ہے جس میں کمال یہ ہے ۔ کہ باہم مصرعے ملانے سے چار ہزار پانچ سو بارہ تاریخیں نکلتی ہیں ۔ شاہجہان صاحب قرآن ثانی کی ولادت کے موقع پر بارہ اشعار کا ایک قصیدہ پیش کیا گیا تھا ۔ جس کے ہر مصرع سے تاریخ ولادت شاہجہان برآمد ہوتی ہے ۔

اگرچہ تاریخ گوئی ایک مشکل ترین صنفِ سخن ہے ۔ لیکن شعرائے متقدمین و متاخرین نے اس کی ہمیشہ سرپرستی کی۔ ہزارہا دلچسپ عمدہ اور برمحل مادۂ تاریخ انھوں نے اپنی یادگار چھوڑے ۔ جن سے آج بھی ہم استفادہ کرتے ہیں — اسی طرح — "رفعتِ تاریخ" بھی ان تاریخوں میں سے ہے ۔ جو اپنے محاسن کی وجہ سے مستحقِ داد و تحسین ہے ۔ کیونکہ تاریخ گوئی میں سب سے پہلے اس امر کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ فنی اعتبار سے اس کا کیا پایہ ہے ۔ مؤرخ نے کہاں تک متعلقاتِ فن کا لحاظ رکھا ہے اور اس کوشش میں وہ کہاں تک کامیاب رہا ہے۔

زیرِ نظر تاریخ میں تین مصرعے محل نظر ہیں ۔

(۱) رات جاتے جھلملائی شمع عرفانِ اودھ
(۲) ماہ و انجم کر گئے تیار شاہانِ اودھ
(۳) بُجھ گئی کیوں روشنی ؟ صبحِ گلستانِ اودھ

پہلے مصرع میں جھلملائی کے (۱۱۹) عدد لیے گئے ہیں۔ دوسرے مصرع میں گئے کے (۳۰) اور تیسرے مصرع میں گئی (۳۰) عدد محسوب ہوئے ہیں ۔جناب فضل نے ان تینوں الفاظ میں جھلملائی ۔ گئے اور گئی کے ہمزہ کو رسم الخط سمجھ کر ترک کیا ہے ۔ حالانکہ یہ بات نہیں ۔

جھلملائی میں (ئی) کے بیس عدد شمار کرنا چاہیے تھے اور اسی طرح قواعد صرفی اور رسم الخط کے اعتبار سے گئے میں دو (ی) ہیں اور ان دونوں کے عدد لئے جائیں گے (گئے کے عدد (گے) کے برابر شمار کرنا درست نہیں ہے ۔ حضرت جلال کا بھی یہی مشرب ہے ۔ اور کثرت رائے بھی اسی قول کی تائید میں ہے ۔ سند کے طور پر چند مصرع تاریخ جن میں اساتذہ نے (گئے) کے چالیس عدد لیے ہیں ذیل میں مندرج ہیں :۔

فصیح الملک داغ دہلوی

ع ۱ ۱ ہنمکنڈے سے آگئے اب حضور (۱۳۰۷)

ولا حیدر آبادی

ع کتخدا ہو گئے الطاف حسین (۱۳۲۵)

منیر شکوہ آبادی

ع حضور جناب نبیؐ میں گئے (۱۲۷۲)

کمال لکھنوی

ع نفیس مر گئے گل ہو چلا چراغ انیس (۱۹۰۰)

گیا سے گئی الف کے بدل (ی) ہے (گ) کے بعد (ی) ہمزہ کی شکل میں موجود ہے ۔ گئی اصل میں (گیی) ہے اس لفظ کے تیس عدد لینا جمہور کے مشرب کے خلاف ہے ۔ چنانچہ چند تاریخیں ملاحظہ ہوں :-

اختر مینائی مرحوم

ع مری محنت ٹھکانے لگ گئی آج (۱۳۲۸)

لسان القوم صفی مرحوم

ع آج شیعو! مل گئی بنیاد کالج خاک میں (۱۳۳۲)

گئی سے گئیں جمع ہے ۔ اس میں بھی دو (ی) ہی کے عدد لیے گئے ہیں ۔

حضرت جلیل مرحوم

لکھو یہ مصرع غم آہِ دل کے ساتھ جلیل
سوِ بہشت گئیں یاور النسا بیگم (۱۳۳۴)

اب میں آخر میں اتنا اور عرض کردوں کہ "رفعت تاریخ" میں جھلملائی ۔ گئے اور گئی کے اعداد کے متعلق حضرت فضل لکھنوی نے جو مشرب اختیار کیا ہے ۔ مستند اساتذۂ لکھنؤ کا یہ مشرب نہیں۔ اس لیے تحفظ فن کے پیش نظر یہ چند سطور لکھی گئی ہیں ۔ ان سے اس تاریخی نظم کے تاریخی پہلو کی اہمیت کو ہرگز گھٹانا مقصود نہیں ۔

ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس

☆ ☆ ☆

تاریخ گوئی میں فنِ تعمیہ

مادّہ کے اعتبار سے تاریخ کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک کو مستقل یا سالم الاعداد کہتے ہیں ، دوسری کو غیر مستقل یا ناقص الاعداد ۔ سالم الاعداد اس مادۂ تاریخ کا نام ہے جو بنفسہٖ کامل ہوتا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہوتا جس کے اعداد میں کمی یا بیشی نہیں پائی جاتی ۔ اور مادۂ سے وہی سال برآمد ہوتا ہے جس کا اظہار مؤرخ کو مقصود ہوتا ہے ۔ مثلاً میر نفیس لکھنوی کی وفات پر لسان القوم مولانا صفی لکھنوی کا یہ مصرع "ہے بہشتِ عنبریں جائے نفیس" (۱۳۱۸) اعداد کا حامل ہے ۔ اور یہی سال میر نفیس لکھنوی کی وفات کا ہے ۔ امام الفن حضرت جلیل قبلہ کا یہ مصرع سالم الاعداد کی ایک بہترین مثال ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"گھڑی توڑا بٹن سونے کے اپنے شاہ سے پائے"

اِس مصرع کے (۱۹۱۲) عدد برآمد ہوتے ہیں اور اسی سال کا اظہار مؤرخ کو منظور تھا ۔

ناقص الاعداد یا غیر مستقل اُس مادۂ تاریخ کو کہتے ہیں کہ جس کے عدد سال مطلوبہ سے کم ہوں یا زیادہ ۔ ایسا مادۂ تاریخ چونکہ مکمل نہیں ہوتا اس میں خامی پائی جاتی ہے ۔ اور اس کے اعداد سے وہی سال برآمد نہیں ہوتا جو مورخ کو مطلوب ہوتا ہے اس لئے اس کو ناقص الاعداد کہتے ہیں ۔ ایسے مادہ ہائے تاریخ جو غیر مکمل ہوتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی یا بیشی پائی جاتی ہے ان کو مورخ اپنی جدت فکر و تلاش سے بطور معمیٰ شائستگی سے اس طرح کم یا زیادہ کرتے ہیں کہ سال مطلوبہ نکل آتا ہے ۔ اس شائستہ اور مناسب عمل کا نام "تعمیہ" ہے۔

تاریخ گوئی تمام اصنافِ سخن میں سے ایک مشکل ترین فن ہے ۔ شاعر ہر صنف میں آزاد ہے ، مگر تاریخ گوئی میں مجبور ۔ جو حضرات اِس کوچہ سے آشنا ہیں ان کو معلوم ہے کہ ایک اچھے ، برمحل اور بے عیب مادۂ تاریخ کے لئے کِس قدر فکر و تلاش اور غور و خوض کی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔ بعض اوقات دنوں کی محنت کا

نتیجہ بھی کچھ برآمد نہیں ہوتا ۔ مولانا صفی لکھنوی کا یہ فرمانا کہ "تاریخ گوئی مچھلی کا شکار ہے" اپنے اندر کسی قدر بصیرت افروز حقیقت لئے ہوئے ہے ۔ یا کسی بزرگ فارسی تاریخ گو کا یہ معقولہ کہ "تاریخ برنیاید ، تاریخ برنیاید" اِس فن کے مشکل اور ادق ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ جہاں تک مادۂ تاریخ کا تعلق ہے ، پورا مادۂ تاریخ تو بنفسہ ایک صنعت ہے۔ کیونکہ ایسا مادہ مکمل ہوتا ہے۔ اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا ۔ لیکن ایسے مادہ ہائے تاریخ جن کے عدد پورے نہیں ہوتے اور سال مطلوبہ سے کچھ عدد زیادہ یا کم ہوتے ہیں ان کو پورا یا ہموار کرنے کے لئے ایک چابک دست مورخ کے ذہنِ رسا کی ضرورت ہے ۔ مؤرخ کی فکر جس قدر مکمل ہوگئی اُسی قدر اس میں ایسے مادہ ہائے کو برجستگی سے سلجھانے کی صلاحیت ہوگی ۔ یہ ایک ایسی کٹھن منزلِ امتحان ہے کہ جہاں بہت کم مؤرخ کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر مؤرخ برمحل اور مناسب "تعمیہ" کرنے میں کامیاب ہوگیا تو یہ اس کے لئے تمغۂ کمال اور اس کی معجزانہ فکر و تلاش پر دال ہے ۔ اور اگر تعمیہ کرنے میں کوئی نقص یا خامی ہے تو مادۂ تاریخ ایک گُلِ بے رنگ و بُو ہوکر رہ جائے گا ۔ اس آئینِ شائستہ اور طریقِ بائستہ جس کے معجز نما عمل سے تاریخی مادوں کی کمی یا بیشی کو مناسب سلیقے اور انوکھے طریقے سے پورا کیا جاتا ہے "تعمیہ" کہتے ہیں ۔

"تعمیہ" بمعنی پنہاں کردن و پوشیدن چیزے ، و بمعنی ساختن چیزے کہ غریب نماید و معمّی گفتن لغت میں آیا ہے ۔ اصطلاح فنِ جمل میں تعمیہ وہ گئی کے (۳۰) جس کے ذریعے سے مادۂ تاریخ کے اعداد کو خواہ وہ زیادہ ہوں خواہ کم مناسب طریقے سے مؤثر انداز میں پورا کیا جاتا ہے ۔ تعمیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) تعمیہ داخلی جس کو تعبیہ بھی کہتے ہیں اور تدخلہ بھی (۲) تعمیہ خارجی ، اس کا دوسرا نام تخرجہ ہے (۳) تعمیہ داخلی و خارجی مؤلفِ خیابان تاریخ اور صاحبِ گلشن خیال کا قول ہے کہ تعمیہ یعنی تخرجہ و تدخلہ عندالضرورت نو سے زیادہ معیوب ہے ۔ البتہ کسی حُسن اور خوبی کے ساتھ شامل کیا جائے تو مضائقہ نہیں جب کسی کلمہ کے پہلے حرف کو مادہ میں سے خارج کرنا یا شریک کرنا مقصود ہو تو سر ، ابتدا، اوّل ، لب ، دست ، چشم ، رُخ ، دہان ، دندان، روئے ، زبان بینی ، پیش ، شاخ ، تاج ، بالا کا اشارہ

کرنا چاہیے ۔ اگر سہ حرفی یا پنج حرفی الفاظ میں سے درمیانی حرف کا تخرجہ یا تدخلہ کرنا مقصود ہو تو دوم ، اوسط ، میان ، کمر ، ضمیر ، دل ، قلب ، جگر ، شکم ، روح ، جان ، سینہ ، ناف وغیرہ کے کنائے سے کام لینا چاہیے ۔ اگر حرف آخر کا تعمیہ مطلوب ہو تو سوم ، انجام ، پس ، پائے ، اصل ، پایاں ، انتہا ، زیریں ، آخر ، غایت ، نہایت کے اشارے سے مطلب پورا کرنا چاہیے ۔

تعمیہ حرفی کے لئے مذکورہ اشارات سے مورخ اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں ۔ لیکن تعمیہ لفظی کے لئے جن کنایوں یا اشاروں کا نشان اساتذہ کی تاریخوں میں ملتا ہے وہ بہت لطیف ہے ۔ کبھی کبھی الفاظ کا استعمال اس قدر لطیف ، باریک اور انوکھا ہوتا ہے کہ جن کی گہرائیوں تک ایک دقیق النظر مورخ ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی ہیں ۔ اور جن کی معنوی لطافتوں کی حدود سے صرف ایک مورخ ہی واقف ہو سکتا ہے ۔ ایک اچھا مورخ الفاظ پر پوری قدرت رکھتا ہے ۔ ان کی قیمت عددی اس کے ازبر ہوتی ہیں ۔ وہ اپنی مطلب برادی کے لئے صرف ایسے اچھوتے اور نادر الفاظ استعمال کرتا ہے جو اس کے مقصد کی بلندیوں سے ہم آہنگ ہوتے ہیں ۔ لیکن بہت کم مورخ اس پُر خار راستے پر گامزن ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اب ہم تعمیہ کی تینوں اقسام سے باری باری بحث کرتے ہیں کہ ان کا عمل کن طریقوں سے جاری و ساری ہے ۔

(۱) تعمیہ داخلی یا تدخلہ :۔

"ملخص تسلیم" میں حضرت تسلیم سہسوانی فرماتے ہیں ۔ "تعمیہ داخلی آن باشد کہ اگر دراعداد مطلوبہ کمی رو دبہ عدد حرفے از لفظے کہ دلچسپ و مناسب باشد داخل نماید " یعنی اگر سال مطلوبہ میں کچھ عدد کم ہوں تو کسی ایسے لفظ کے حرف سے کہ جس سے وہ کمی پوری ہو سکتی ہو بھرتی کریں ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ عمل دلچسپ اور مناسب ہو ۔

اب ہم مثالوں سے تعمیہ کی اس قسم پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

جب نواب آصف الدولہ مرحوم نے حافظ رحمت خان پر فتح پائی ۔ تو کسی بزرگ نے مادۂ تاریخ میں تعمیہ داخلی سے کام لیا ہے ۔ جو مناسب اور بر محل ہے ۔

چوشد نواب براعداء ظفر یاب : ملائک مژدہ در عالم دمیدند
ہم از لفظ ظفر جستند تاریخ : پے ساقی سر حافظ بریدند

"ظفر" کے عدد ۱۱۸۰ ہوتے ہیں لیکن واقعہ ۱۱۸۸ کا ہے ۔ آٹھ عدد کی کمی تھی ۔ جس کو "پے ساقی سر حافظ بریدند" کہ کر پورا کیاگیا ہے ۔

خواجہ عشرت لکھنوی مرحوم یادگار میر نے تاج ، الشعراء شاطر آنجہانی کی وفات پر ایک تدخلہ کیا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

از سرِ افسوس تاریخ وفاتش شد رقم
بر زمین افتاد تاج شاعران پاک طبع (۱۹۳۶ء

جناب جویا مراد آبادی مؤلف خیابانِ تاریخ نے کسی کی ولادت کی تاریخ تدخلہ سے کہی ہے جس کا انداز بیان لطیف ہے ۔

شاخ سے دی صدا ہزار نے یوں : ہے گل باغ آرزو جویا ۱۲۸۷

"ہے گل باغ آرزو" کے عدد ۱۲۸۲ ہوتے ہیں مؤرخ کو ۱۲۸۷ منظور تھے اس لئے ہزار کی ہائے ہوز کا تدخلہ کر کے اپنی ضرورت کو بہ حسن و خوبی پورا کیا ہے ۔

لسان القوام مولانا صفی لکھنوی قبلہ کی ایک تاریخ ہے جس کا انداز استادانہ ہے ۔ مادۂ تاریخ میں دس عدد کی کمی تھی ۔ جس کو اپنی جدت فکر اور ندرتِ بیان سے پورا فرمایا ہے ۔

یہ وفعتہً دلِ مایوس نے کہا بڑھ کر کہ ماں کے پاؤں کے نیچے ملا بہشت بریں

"مایوس" میں پانچ حرف ہیں (م ۔ ا ۔ ی ۔ و ۔ س) تیسرا حرف ی ہے ۔ جو درمیان ہے ۔ اس کی طرف "دل مایوس" کہہ کر اشارہ فرمایا ہے ۔ جو مناسب اور بر محل ہے ۔

عربی کی ایک تاریخ ہے۔

صاد فکری مستعیناً واحداً
وتلفتی تاریخہ فتح قریب

"فتح قریب" کے عدد آٹھ سو ہیں ۔ لیکن مؤرخ کو ۸۰۱ سال مطلوب ہے اس لئے مصرع اولیٰ میں واحد کے لفظ سے ایک کی بھرتی کی ہے ۔ یہ تاریخ امیر تیمور کی فتح ہند کے متعلق ہے ۔

لسان الملک ریاض خیر آبادی مرحوم کی ایک تاریخ میں ایک عدد کا تدخلہ نہایت مناسب اور لطیف ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

کہے اپنی زباں سے ہاتفِ غیب بنی کیا ، اچھی مسجد عرش ثانی (۱۳۵۱)

یہاں ایک کا استادانہ تدخلہ ہے۔ جو "اپنی زبان سے" کہہ کر مؤرخ نے اشارہ کیا ہے ۔ جو بہت مستحسن ہے۔

جناب جویا مراد آبادی نے ایک پہلوان کی وفات پر کیا خوب کہا یہ

یہ میانِ فلک سے آئی ندا
رستم ہند مرگیا افسوس ۱۳۸۷

سے آئی ندا رستم عہد مرگیا افسوس (۱۳۸۷)

"رستم عہد مرگیا افسوس" کے عدد ۱۳۵۷ برآمد ہوتے ہیں ۔ باکمال مؤرخ نے پہلے مصرع میں "میانِ فلک" کا اشارہ کرکے ۳۰ عدد کی کمی کو بطریق احسن پورا کیا ہے ۔

جانشین امیر مینائی کی ایک تاریخ ہے ۔ اس میں ایک عدد کی کمی ہے ۔ لیکن حضرت جلیل کی طبع نازک نے اس کو پورا کرنے کے لئے سب سے جدا راستہ نکالا ہے ۔ غالباً یہ اپنی قسم کی پہلی تاریخ ہے ۔ انوکھے انداز کے ساتھ ندرت بیان معجزانہ ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

مل گیا اک مصرع تاریخ مجھ کو اے جلیل
تاریخ آصف کا گہر شہزادہ عابد علی (۱۳۳۱)

مصرع اولیٰ میں "اک" جس نظر سے صرف ہوا ہے ۔ اس کی داد نہیں دی جاسکتی ۔

جس طرح حروف سے تعمیہ (تدخلہ یا تخرجہ) کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح الفاظ سے بھی اس میں عمل کیا جاتا ہے ۔ حروف سے تخرجہ یا تدخلہ کرنا آسان ہے اگرچہ اس میں بھی اچھے سلیقہ مند مؤرخ کی مہارت تامہ کو دخل ہے ۔ لیکن الفاظ سے تعمیہ کرنا ذرا مشکل ہے ۔ یہاں مورخ کو محنت اور کاوش کے علاوہ جدت فکر اور ندرتِ

بیان کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔ جب تک ایک ماہرِ فن مؤرخ اپنی پوری پوری توجہ سے کام نہیں لے گا وہ اس منزل میں کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ مؤرخ کی فکر جس قدر کامل ہوگی اور اس کے دماغ میں جس قدر زیادہ الفاظ کا ذخیرہ ہوگا اور جس قدر اس کو زیادہ الفاظ کے تصرف پر قدرت حاصل ہوگی ۔ اُسی قدر زیادہ کامیاب نظر آئے گا ۔ مادۂ تاریخ کی سریع الفہمی اور جلالت معنوی کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھے گا ۔ وہ ایسے ایسے نادر برمحل اور اچھوتے الفاظ سے تعمیہ کرے گا ۔ جو کامل المعنی ہوں گے ۔ جن میں موقع اور محل کے پیش نظر اور ادائے مطالب کے لحاظ سے مزید افراط و تفریط کی گنجائش بہت کم ہوگی ۔ لیکن یہ ایک مشکل مرحلہ ہے ۔ جس طرح ایک فن کار صناع کی تعمیر سے اگر ایک اینٹ گر جائے ۔ تو ساری عمارت کا حسن خاک میں مل جاتا ہے ۔ اِسی طرح اگر مادۂ تاریخ میں مؤرخ سے تعمیہ کرنے میں کوئی معمولی سی لغزش بھی ہو جائے ۔ تو مادہ کا تمام حسن زائل اور اثر مفقود ہو جائے گا ۔

تعمیہ کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے ۔ یہاں ایک سلجھے ہوئی علمی سلیقے کی صلاحیت درکار ہے ۔ ذیل کی تاریخ میں تدخلہ لفظی ایک عجیب شان سے جلوہ گر ہے ۔

جلیل

ادب کے ساتھ یہ دے نذر مصرع تاریخ
گرہ کشائے زمانہ ہے شہ کی سالگرہ (۱۳۳۲)

"گرہ کشائے زمانہ ہے شہ کی سالگرہ" مادۂ تاریخی ہے۔ جس کے عدد ۱۳۲۵ نکلتے ہیں ۔ مؤرخ کو سات عدد کی کمی کو پورا کرنا مقصود ہے ۔ وہ موقع اور محل کے لحاظ سے ایک لفظ "ادب" جس کے عدد سات ہی ہیں تلاش کرکے تدخلہ کرتا ہے ۔ جو ہر لحاظ سے دلچسپ ، برمحل اور قابلِ داد ہے ۔

جناب بلیغ کی وفات پر حضرت صفی لکھنوی کی ایک تاریخ ہے اس میں بھی لفظی تدخلہ ہے ۔ لیکن باکمال مؤرخ نے اپنی استادانہ تلاش سے نہایت حسن کے

ساتھ بٹھایا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

تاریخ کہی صفی نے بھر کر اک آہ
ہم سب ہیں بلیغ کی جگہ خالی ہے (۱۹۳۳)

مادۂ تاریخ میں چھ عدد کی کمی تھی ، کیونکہ واقعہ وفات سے متعلق ہے لہذا لفظ "آہ" کا تصرّف ہر لحاظ سے بہت خوب ہے ۔ ایسے تدخلے ہی اس فن کی جان ہیں ۔ لائق مؤرخ نے اپنی ضرورت کو باحسن و خوبی پورا کیا ہے ۔ جو مستغنی عن التوصیف ہے ۔

کسی شاعر کی ایک تاریخ ہے ۔

بصدق دل نو شتم مصرع سال
مبارک باد ایں جشنِ عروسی (۱۲۵۸)

"صدق دل" جس کے عدد ۲۲۸ ہیں ۔ اس کو مادۂ تاریخ "مبارک باد ایں جشنِ عروسی" جس کے عدد ۱۰۳۰ ہوتے ہیں میں شریک کرکے مطلوبہ سال ۱۲۵۸ نکالا ہے ۔ تاریخ بہت اچھی ہے اور مؤرخ کی فکر و تلاش پر دال ہے ۔

امام الفن کی ایک اور تاریخ ہے اس میں بھی تدخلہ لفظی کی ایک نئی شان ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

اک ملا تاریخ کا مصرع جلیل شیرا فگن نے کیا پہلا شکار (۱۳۳۲)

"شیرا فگن نے کیا پہلا شکار مادۂ تاریخ ۱۳۱۱ اعداد کا حامل ہے۔ ۲۱ عدد کی کمی تھی جو لفظ "اک" جس کے عدد اکیس ہوتے ہیں ملا کر پوری کی گئی ہے ۔ تدخلہ کا انداز کس قدر دل فریب ہےاور خوبی بیاں کس قدر دل آویز۔

لسان الملک ریاض خیر آبادی فرماتے ہیں۔

آپ سے خاص اس کو الفت ہے
رنگ لائے ہمیشہ باغ مُراد

مادۂ تاریخ میں تین عدد کم تھے ۔ "آپ" سے کہہ کر تدخلہ کیا ہے جو استادانہ اور حسنِ بیان کی خوبیوں کا مرقع ہے ۔

حضرت جلیل کی ایک اور تاریخ ہے ۔ جس میں تعمیہ کا انداز نرالا ہے فرماتے ہیں :۔

پڑھ جلیل بہ آواز مصرع تاریخ
الہٰی تا بابد ہو شمارِ سالگرہ (۱۳۳۹)

پندرہ عدد کی کمی تھی ۔ "آواز" جس کے پندرہ ہی عدد ہیں اس خوبی سے مادہ میں شریک کئے ہیں کہ رُوح جھومنے لگتی ہے ۔ تدخلہ کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے ۔

(۲) تعمیہ خارجی یا تخرجہ :۔

جب مادۂ تاریخ میں سالِ مطلوبہ سے اعداد زیادہ ہوتے ہیں تو مؤرخ کسی لطیف مؤثر اور برمحل انداز سے ان کو اس طرح کم کرتا ہے ۔ کہ سالِ مطلوبہ نکل آتا ہے ۔ اس عمل کا نام تعمیہ خارجی یا تخرجہ ہے ۔ یہ حرفی بھی ہوتا ہے اور لفظی بھی ۔ مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ کسی کا یہ مشہور مصرع ہے ۔ ع "سرِ دیں رابرید یزیدِ" دین کا سر د ہے اور اس کے عدد ۴ ۔ اگر دین جس کے عدد ۶۴ ہوتے ہیں اس میں سے ۴ عدد کم کریں تو مطلوبہ سال ۶۰ ہجری برآمد ہو جاتا ہے ۔ اسی واقعہ کی تاریخ مضطر مرحوم نے لکھی ہے ۔ "گفت مضطرب بشد نبی بے دل" نبی کا دل یعنی درمیانی حرف ب ہے اگر اس کو نبی کے اعداد میں سے کم کریں تو مطلوبہ سال نکل آتا ہے ۔

عبدالغفور نساخ کی ایک تاریخ ہے ۔ جو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے متعلق تحریر فرمائی ہے ۔

"برید ابن ملجم چو فرقِ ولی میاں گشت تاریخ فوتِ علی"

اس تاریخ میں دو لطف ہیں ۔ ایک تو اگر فرق ولی یعنی واؤ ولی کو اڑا دیا جائے تو "لی" باقی رہ جاتا ہے ۔ اور "لی" کے عدد چالیس ہوتے ہیں اور یہی سال شہادت کا ہے ۔ دوسرا اگر "علی" کے ع کو جدا کر دیا جائے تب بھی "لی" ہی باقی رہتا ہے ۔ اور اس سے بھی سِنینِ واقعہ برآمد ہوتے ہیں ۔ جو چالیس ہیں ۔

منشی تلوک چند محروم کی ایک تاریخ ہے۔

تاریخ وفات کے لئے بے سرِ وہم
کافی ہے یہ افسوس دریغا شاطر (۱۹۳۶)

"وہم" کا سر واؤ ہے ۔ اس کے عدد ۶ ہیں ۔ مادۂ تاریخ جس کے عدد ۱۹۳۲ ہیں چھ کا تخرجہ کرکے ضرورت کو پورا کیا ہے ۔

میری اپنی ایک تاریخ ہے۔

بعد از نفی الف ایں سال رحلت شد رقم
پاک باطن باد زیرِ دامنِ خیر النساء (۱۳۵۵)

مادۂ تاریخی "پاک باطن باد زیرِ دامنِ خیر النساء" ۱۳۵۶ اعداد کا حامل ہے ۔ کیونکہ واقعہ ۱۳۵۵ کا ہے ۔ اس لئے ایک عدد کا تخرجہ "نفی الف" کہہ کر کیا گیا ہے ۔ یہاں الف سے مراد صرف ایک عدد ہے ۔

حرفی تخرجہ کی ایک لاجواب مثال ملاحظہ ہو۔

جلیل

فرد نکلا یہ مصرع تاریخ
اے خوشا جلسہ دار سلطانی (۱۳۳۳)

ایک عدد کا تخرجہ فرد نکلا کہہ کر نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا ہے ۔ فرد بمعنی تنہا ۔ یگانہ لغت میں آیا ہے ۔ یہ تخرجہ استادانہ اور معنوی خوبیوں سے مالا مال ہے ۔

جناب جویا نے کسی معشوق کی وفات پر ایک تاریخ سپرد قلم فرمائی ہے ۔

جگر فکر داغ دار ہوا
خلق سے ناز اٹھ گیا جویا (۱۲۸۱)

"خلق سے ناز اٹھ گیا" کے عدد ۱۳۰۱ ہوتے ہیں ۔ واقعہ (۱۲۸۱) کا ہے لہذا "جگرِ فکر داغدار" کہہ کر ۲۰ کا تخرجہ کیا ہے ۔ جو بہت خوب ہے اسی طرح ایک پہلوان کی تاریخ وفات میں بھی جناب جویا نے تخرجہ کی نئی شان پیدا کی ہے ۔

زور کی ٹوٹی کمر میں کیا کہوں
ثانی رستم گیا تاریخ ہے (۱۲۸۶)

"ثانی رستم گیا" سے واؤ زور کا تخرجہ کرکے سال مطلوبہ ۱۲۸۶ برآمد کیا ہے حضرت جلیل القدر کی ایک تاریخ ہے ۔

اُٹھا جو دستِ دعا ہاتھ آگئی تاریخ
کلیدِ گنج سعادت ہے شہ کی سالگرہ (۱۳۳۴)

مادۂ تاریخ میں چار عدد کی زیادتی تھی ۔ "اُٹھا جو دستِ دعا" کہہ کر چار عدد کم کئے گئے ہیں ۔ یہ تاریخ حرفی تخرجہ کی ایک بہترین مثال ہے طرز بیان اچھوتا اور دلفریب ہے ۔

آقائے سخن حضرت وسیم خیر آبادی مرحوم کی ایک تاریخ ہے ۔ جس پر صنعت تخرجہ کو ناز ہے ۔ یہ تاریخ خدائے سخن امیر مینائیؒ کے نعتیہ دیوان "محامد خاتم النبین" کی اشاعت کی ہے فرماتے ہیں ۔

دیکھیے صنعت میں تاریخ وسیم
وصف ذات احمد بے میم ہے (۱۳۰۵)

"وصف ذات احمد ہے" کے اعداد میں سے میم کے ۴۰ عدد کم کرکے سال مطلوبہ حاصل کیا ہے ۔ ایسی تاریخیں شاذ ہی نکلتی ہیں ۔

حضرت جلیل حضرت امیر مینائیؒ کی وفات کے موقع پر فرماتے ہیں۔

جلیل نے سرِ بزم عزا یہ پوچھا آج
وہ کون تھے جنہیں روتے ہیں سارے شیدائی
پڑھا جواب میں اُٹھ کر یہ ایک نے مصرع
امیر کشورِ معنی امیر مینائی (۱۳۱۸)

مادۂ تاریخ سے ایک عدد کی زیادتی کو کس خوبی سے کم فرمایا ہے تیسرا مصرع "پڑھا جواب میں اٹھ کر یہ ایک نے مصرع" اسلوب بیان کی جان ہے حضرت جلیل ایسا ہی معجزبیان شاعر اس قسم کے بے نظیر تخرجوں پر قادر ہو سکتا ہے ۔ یہ تاریخ تعمیہ خارجی کی ایک بہترین مثال ہے ۔

اب لفظی تخرجہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

حضرت امیر مینائیؒ ہی کی وفات پر لسان الملک ریاض کی ایک تاریخ ہے ۔ جو موتیوں سے تولنے کے قابل ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

رہے یہ سال سرِ قبرِ بے دیار امیر
فقیر کوچہ محبوب امیر ملک سخن (۱۳۱۸)

حضرت امیر مینائیؒ کی وفات حیدر آباد میں ہوئی تھی ۔ اس لئے بے دیار کا اشارہ بہت مناسب ہے ۔ مادۂ تاریخ کے عدد ۱۵۳۳ برآمد ہوتے ہیں ۔ "دیار" جس کے عدد ۲۱۵ ہیں ۔ باکمال مؤرخ نے تخرجہ کرکے اپنی استادانہ فکر کا سکہ منوا دیا ہے ۔

اگرچہ تدخلہ و تخرجہ کا شمار عیوب میں ہے ۔ لیکن اگر مناسب اور برمحل عمل کیا جائے تو یہ حسن میں شمار ہوتا ہے ۔ حکیم مومن دہلوی نے معمّی اور تعمیہ میں چند ، یک تاریخیں کہی ہیں جو شاعرانہ نزاکتوں سے مالا مال ہیں ۔ اپنے والد مرحوم کی وفات پر کہتے ہیں ۔

جنازہ اٹھایا فرشتوں نے آ تو قد فاز فوزاً عظیماً ۔ کہا
(۱۲۴۱)

مادۂ تاریخ سے جنازہ کے اعداد کا تخرجہ کس خوبصورتی سے کیا ہے۔

اسی طرح تاریخ ولادت دختر بھی ان کی نزاکت طبع پر دال ہے ۔ کتنا برمحل تخرجہ کیا ہے۔

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے کہی تاریخ دختر مومن
(۱۲۵۹)

"دختر مومن" کے اعداد میں سے "نال" کے اعداد کا تخرجہ کیا ہے ۔

حضرت تسلیم سہسوانی مرحوم کی ایک تاریخ ہے فرماتے ہیں

طوطی روح پرید از غفلت (۱۲۶۲)

"غفلت" جس کے عدد ۱۵۱۰ ہیں میں سے طوطی روح جس کے عدد ۲۴۸ ہیں کا تخرجہ کرکے سال مطلوبہ نکالا ہے جو بہت خوب ہے ۔

حضرت امیر مینائی کی ایک تاریخ ہے ۔ جو انہوں نے حرم سرا مؤلفہ لسان

الملک ریاض کی اشاعت کے موقعہ پر تحریر فرمائی ہے صنعتِ تخرجہ جب تک زندہ ہے یہ تاریخ یادگار رہے گی ۔ فرماتے ہیں :۔

پھول ناول میں یہ کھلائے ہیں یا بنایا ہے پھولوں کا گہنا
اس چمن میں ہجوم گل ہے امیر نہیں ممکن کسی کا اب رہنا
گل آئی یہ کہہ کے باد صبا بارک اللہ ریاض کیا کہنا
(۱۳۰۷)

"بارک اللہ ریاض کیا کہنا" سے باد صبا کے اعداد خارج کر کے تاریخ بر آمد ہوتی ہے ۔

لسان القوم کی ایک تاریخ ہے :۔

فکر نے کوہ کنی کی تو یہ نکلی تاریخ
ایک الحمد کا ہے حافظ قرآں محتاج (۱۹۱۶)

پورے مصرع سے کوہ کے ۳۱ عدد نکالے گئے ہیں ۔

حضرت صفی قبلہ کی ایک اور تاریخ ملاحظہ ہو :۔

دل ہے اس مصرع برجستہ سے بے حد شاداں
مسند آرا ہوئے صد شکر امیر احمد خان (۱۹۳۴)

واقعہ کیونکہ خوشی سے متعلق ہے ۔ لہٰذا "بے حد شاداں" کہہ کر فصاحت اور بلاغت کے دریا بہادئے ہیں ۔ بارہ عدد کا تخرجہ بھی فرمادیا۔ جو نہایت موزوں اور برمحل ہے ۔

حضرت جلیل القدر فرماتے ہیں۔

بے طلب یا فتم ایں مصرع تاریخ جلیل
شاہ عثمان بدکن فاتح و منصور آمد (۱۶۲۸)

"بے طلب" کہہ کر "طلب" کے ۳۱ اعداد کا تخرجہ فرمایا ہے ۔ جو علم بیان کی جان ہے ۔

ایک اور جگہ ۴۸ اعداد کا تخرجہ فرماتے ہیں ۔

جلیل مصرع تاریخ بے بدل نکلا
نئی بہار دکھاتی ہے شہ کی سالگرہ (۱۳۳۶)

صفی لکھنوی

رفت گل از چمن دہر بگفتم تاریخ
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد (۱۹۳۳)

یہ تاریخ نواب فتح علی خان قزلباش کی وفات پر کہی گئی ہے ۔ مادۂ تاریخ میں سے گل کے ۵۰ اعداد کا تخرجہ کس قدر معنویت کے لحاظ سے مناسب ہے ۔

میری اپنی ایک تاریخ ہے ۔

رقم سال رحلت شد ایں لاجواب
کنیز سکینہ بباغ بہشت (۱۹۳۲)

"جواب" کے بارہ اعداد کا تخرجہ کیا گیا ہے ۔

جناب فرحت کی وفات پر میں نے ایک تاریخ کہی تھی ۔ اس میں آٹھ عدد کا تخرجہ ہے ۔ ملاحظہ ہو

بے بہا ہے مصرع سالِ وفات
زینتِ ملک جناں فرحت ہوئے (۱۳۶۲)

کسی عربی شاعر کی ایک تاریخ ہے

قد خرج الروح عن المرتضیٰ (۱۲۳۶)

لفظ ۔ مرتضیٰ جس کے عدد ۱۴۵۰ ہوتے ہیں ۔ ان میں سے روح کے عدد ۲۱۴ کا تخرجہ کیا ہے ۔

جناب جویا نے ایک تاریخ اسی طرز کی کہی ہے ۔

ہوا بے جان مظفر خان احمد (۱۸۷۰)

"مظفر خان احمد" کے اعداد میں سے "جان" کے اعداد کا تخرجہ کیا ہے ۔

احمد خان بنگش کی تاریخ وفات کسی استاد نے تخرجہ کے ساتھ کہی ہے ۔

ملائک آہ کشید از وفاتِ احمد خان (۱۱۸۵)

"آہ" کے اعداد کو "وفات احمد خان" کے اعداد میں سے خارج کیا ہے ۔

ایک مطربہ کی تاریخ وفات جناب گلشن رام پوری نے اسی طرز سے کہی ہے۔

گفت زہرہ ارغنوں شد بے نوا (۱۲۵۰)

"ارغنوں" سے "نوا" کے اعداد کا تخرجہ ہے ۔

کسی عجمی کی ایک تاریخ ہے ۔ جو حضرت محمد صلعم کی وفات سے متعلق ہے ۔

از محمدؐ زمانہ خالی ماند (۱۱)

زمانہ کے عدد ۱۰۳ ہیں اور "محمدؐ" ۹۲ محمدؐ کے اعداد زمانہ کے اعداد میں سے خارج کرکے سال مطلوبہ برآمد ہوتا ہے ۔

اسی طرح جناب سیّدہ خاتون جنت کی وفات کی تاریخ کسی استاد نے کہی ہے ۔

ماند دنیا بہ ماتمش بے جان (۱۱)

"دنیا" سے "جان" کے عدد نکالنے کے بعد تاریخ مطلوبہ برآمد ہوتی ہے ۔

امام حسن علیہ السلام کی تاریخ وفات جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری نے لکھی ہے ۔ جو بہت خوب ہے۔

عدل بے جاں ماند شد داد از جہاں (۵۰)

"عدل" سے "جان" اور "جہان" سے "داد" کے اعداد کا استادانہ تخرجہ کیا ہے ۔ گنجینہ سروری ان کی تاریخوں کا مجموعہ ہے اس میں ہزاروں تاریخیں اس قسم کی جناب سرور نے کہی ہیں ۔

اب ہم ایک نئی طرز کی تاریخ ذیل میں درج کرتے ہیں ۔ یہ تاریخ نواب آصف الدولہ کی وفات پر کہی گئی ہے۔

در وفاتش بے سرو پاگشتہ اند
نظم و نسق و ہمت و ہیبت کرم (۱۲۱۲)

"نظم" کو بے سروپا کر دیں تو ظ رہ جاتا ہے جس کے عدد ۹۰۰ ہیں ۔ اسی طرح نسق ، ہمت ، ہیبت اور کرم کو بے سرو پا کریں یعنی پہلا اور آخری حرف اڑا دیں تو سال مطلوبہ برآمد ہوتا ہے ۔

اب ہم ایک اور تاریخ کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ تاریخ جناب منیر نے حضرت دبیر کی وفات پر کہی تھی ۔

گفت تاریخ وفاتش را منیر اشکبار

عقل بے دل سدرہ بے جبریل منبر بے دبیر (۱۲۹۲)

اس تاریخ کے متعلق صاحب ملخص تسلیم فرماتے ہیں اسمٰعیل حسین منیر کہ در عہد خویش قابل التعظیم و شاعریش واجب التقسیم بود ، ور دولت میرزا سلامت علی دبیر تاریخ خود را مورد ایراد نمود ، افسوس کہ راہ بیگانہ پیمود ، جوہر الفاظ نقاب چہرہ شاہد تاریخ است کہ لفظ بے منفی ست ۔ چنانچہ دریں قطعہ پنج جا آمدہ ظاہر است و قاعدہ تخرجہ را معارج است بہر پنج ایں ترکیب اقبح وافحش است"

حضرت تسلیم سہسوانی نے بیچارے مؤرخ پر بے بنیاد اعتراض فرمایا ہے ۔ اور مصرع تاریخ کو محض اس بنا پر غلط کہا ہے کہ حرف نافیہ (بے) کا استعمال ان کے نزدیک اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عقل سے دل کے عدد خارج کئے جائیں ۔ سدرہ سے جبریل کے عدد نکالے جائیں اور منبر سے دبیر کے عدد کم کئے جائیں ۔اصل میں بات یہ ہے کہ حرف نافیہ بے سے ان کو دھوکا ہوا ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ حرف نافیہ جب بھی استعمال ہوگا اس سے مراد تخرجہ ہی ہے اکثر اساتذہ نے بے کا استعمال کیا ہے لیکن تخرجہ کی نیت سے نہیں ۔ میں دور حاضرہ کے دو مسلم الثبوت استادوں کے دو مادہ ہائے تاریخ سند میں پیش کرتا ہوں جہاں حرف نافیہ کا استعمال تو ہے ۔ لیکن تخرجہ کی نیت سے نہیں ۔

صفی لکھنوی

سینئے صریر کلک صفی سے نوائے تلخ

ٹوٹا ستارہ ، قلب فنا ،ساز بے صدا (۱۹۱۱)

پورے مصرع میں تاریخ ہے ۔ (بے) حرف نافیہ تخرجہ کی نیت سے صرف نہیں کیا گیا۔

جلیل القدر

موزوں ہے خوب مصرع تاریخ اے جلیل
ایوانِ جشنِ سالگرہ بے مثال ہے (۱۳۳۵)

یہاں بھی "بے" کا استعمال تخرجہ کی نیت سے نہیں ہوا ۔ پورا مصرع مادۂ تاریخ ہے ۔

اب ہم تعمیہ کی تیسری قسم سے قارئین کرام کو روشناس کراتے ہیں ۔

(۳) تعمیہ داخلی و خارجی :۔

تعمیہ داخلی و خارجی تعمیہ کی تیسری قسم ہے ۔ یہ صنعت بڑی پُر تکلف ہے ۔ تعمیہ داخلی و تعمیہ خارجی یعنی تخرجہ و تدخلہ دونوں سے مشکل ہے ۔ اس پر عمل کرنے سے مادہ تاریخ میں کچھ اعداد کا تخرجہ بھی کیا جاتا ہے اور تدخلہ بھی نعمت خان عالی کی ایک تاریخ ہے جس میں تخرجہ وتدخلہ دونوں کا عمل نہایت دلچسپ اور موزوں ہے ۔

بوالحسن داشت جا بچار محل بدرش کرد زاں میاں تقدیر
چوں بروں رفت او بجاش نشست شاہ اورنگ زیب عالمگیر
(۱۰۹۸)

چار محل کے اعداد ۲۸۲ میں سے بو الحسن کے اعداد ۱۵۷ منفی کرنے کے بعد ۱۲۵ باقی رہتے ہیں ۔ اب ۱۲۵ میں شاہ اورنگ زیب عالمگیر جس کے عدد ۹۷۳ میں جمع کریں تو سال مطلوبہ ۱۰۹۸ نکل آتا ہے ۔

شاہجہان صاحب قراں نے جب بلخ و بدخشاں کو فتح کیا ۔ تو میر عبدالرزاق نے اس صنعت میں ایک اچھی تاریخ کہی تھی ۔

بشدز بلخ و بدخشاں نذر محمد خان
زور قبیلہ و املاک را گزشت دراں (۱۰۵۶)

بلخ و بدخشاں کے عدد ۱۵۹۵ ہوتے ہیں ۔ اب نذر محمد خان جس کے عدد ۹۹۷ ہیں ان میں سے خارج کریں ۔ باقی ۵۹۸ رہ جائیں گے ۔ ان میں "زرو قبیلہ و املاک" جس کے عدد ۴۵۸ ہیں شریک کریں تو مادہ تاریخ ۱۰۵۶ اعداد کا حامل ہو جائے گا ۔

اور یہی سال مطلوب مؤرخ تھا ۔

شمس العلماء خان بہادر عزیز یار جنگ ولا حیدری آبادی کی ایک تاریخ ہے ۔

بندہ سال رحلت خیر النساء نوشت
شد بگلزار جنان روزیکہ دنیارا گزاشت (۱۳۲۱)

خیرالنسا جس کے عدد ۱۰۲۴ ہیں ان میں گلزار جناں کے اعداد جو ۳۶۲ ہیں تدخلہ کریں تو ۱۳۸۶ مجموعہ ہو جائے گا ۔ اب دنیا کے عدد جو ۶۵ ہیں تخرجہ کریں تو سال مطلوبہ ۱۳۲۱ ملے گا۔

حضرت تسلیم سہسوانی کی ایک تاریخ ہے جو انہوں نے نواب احمد علی خان کی وفات اور محمد سعید خان کی مسند نشینی کے متعلق کہی تھی بہت خوب ہے ۔ ایسی تاریخیں شاذ ہی نکلتی ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔

کہ خان احمد علی شد بروں ز افغاناں
کنوں بجاش محمد سعید خاں آمد

افغاناں کے اعداد میں سے خان احمد علی کے اعداد کا تخرجہ کرنے کے بعد محمد سعید خاں کے اعداد کا تدخلہ کرنے سے تاریخ برآمد ہوتی ہے ۔

اب ہم ذیل میں تذکرۃ الشعرا کی ایک تاریخ نقل کرتے ہیں ۔اس میں نازک خیال شاعر نے ذرا زیادہ تکلف سے کام لیا ہے ۔

گفتاز ریاض الشعرا رفت خزاں
وردے چو بہار سر زدہ شد (۱۱۶۱)

اس تاریخ کی طرز مذکورہ تاریخوں سے ذرا جدا ہے ۔ ریاض الشعراء کے اعداد میں سے خزاں کے اعداد کا تخرجہ کرنے کے بعد بہار کے پورے اعداد ۲۰۸ شامل نہیں کئے گئے ۔ بلکہ بہار سرزدہ کہہ کر دو عدد کا اور تخرجہ کیا ہے ۔ اور ۲۰۸ کی بجائے ۲۰۶ عدد شریک کرکے مادۂ تاریخ کو پورا کرکے سال مطلوبہ ۱۱۶۱ برآمد کیا ہے ۔ جو قابل صد داد ہے ۔

☆ ☆ ☆

توضیحی فہرست کتب

فنِ تاریخ گوئی سے شغف رکھنے والے حضرات کے استفادہ کے لئے اس فن سے متعلق چند کتابوں کی توضیحی فہرست دی جا رہی ہے ۔ جو مکمل تو نہیں کہی جا سکتی ، پھر بھی ایک حد تک اس مقصد کو پورا کرتی ہے ۔ ضرورت مند اصحاب اس سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ۔ اس فہرست میں زیادہ تر وہی کتابیں شامل ہیں جو ہمارے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں ۔ مختلف جرائد و اخبارات میں جو مقالات گاہے بگاہے طبع ہوتے رہے ہیں وہ اس فہرست میں شامل نہیں ۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مقالہ فن تاریخ اور اردو میں اس کی روایت طبع نقوش اور ڈاکٹر محمد انصار اللہ کا مضمون 'صنادید تاریخ گوئی' مطبوعہ دانش رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران سے مذکورہ فہرست کتب میں مدد لی گئی ہے ۔ جن کے ہم تہ دل سے ممنون ہیں ۔

کسریٰ منہاس

آئینہ تواریخ ملقب بہ تحفۂ شائق ص : ۳۳۲
حافظ الٰہی بخش شائق
مطبع نظامی ، کانپور
۱۲۹۵ھ
مساوی الاعداد ۱۔۱۳۰۱ مسلسل اور ۱۸۰۰ ، ۱۸۱۳ ، ۱۸۵۰ ، ۱۹۱۰ ، ۲۰۴۱ ، ۲۳۳۰ ، ۲۱۳۰ غیر مسلسل

احسن التواریخ ص : ۵۶
سید دلدار حسین اکبر الہ آبادی
اعظم پریس ، حیدر آباد دکن ۔
۱۹۴۸ء ۔ ۱۳۶۷ھ

اسرار الاعداد بحساب پینہ و زبر ص : ۹۶
سید فیض الحسن موسوی انبالوی
شہزادہ رضا کاظمی ، امام باڑہ دربار حسین ، موری گیٹ ، لاہور ۱۹۵۹ء

اعجاز التواریخ ۸۳ + ۲
سید شرافت نوشاہی
مکتبہ نوشاہیہ ۔ ساھنپال شریف ضلع گجرات
۱۳۹۶ھ ۔ ۱۹۷۶ء

اعجاز التواریخ ص : ۵۶ + ۲
شاہ محمد عزیز اللہ عزیز چشتی صفی پور (اناؤ)
ابو العلائی اسٹیم پریس آگرہ ۔
۱۳۳۲ھ
مختلف مواقع پر کہی گئی تاریخیں

اعجاز التواریخ
محمد ولایت علی خان
ابو العلائی اسٹیم پریس ، آگرہ
۱۳۳۲ھ

اعجوبۂ تواریخ ص : ۱۸۳ ۲۱۶
مشمولہ 'خزانہ خیال'
محمد عبدالاحد شمشاد لکھنوی
۱۳۰۴ھ ۔ ۱۸۹۸ ۔
مطبع مجتبائی ، لکھنؤ ۔

اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی ص : ۶۴
عبدالحکیم خان اختر
ادارہ غوثیہ رضویہ ، جامع مسجد مدینہ ، مصری شاہ لاہور ۱۹۸۶ء
امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف مواقع پر کہی ہوئی تاریخیں ۔

افادہ التاریخ ص : ۳۶
حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی
مطبع جعفری لکھنؤ
۱۸۸۵ء ۔ ۱۳۰۳ھ

ام التواریخ ۴۳۳
حسین علی فرخت مطبع قاسمی ، میرٹھ
۱۳۳۴ھ

بحرالفصاحت ص : ۲ + ۱۲۳۲ + ۴
حکیم محمد نجم الغنی خان
نولکشور ، لکھنؤ
۱۹۲۷ بار دوم
علم معانی و بیان کی اس مبسوط کتاب میں صفحہ ۹۹۶ سے ۱۰۱۵ تک تاریخ گوئی سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔ چند تاریخوں کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں ۔

بیان التواریخ ص : ۱۲۰
محمد عزیز اللہ عزیز چشتی ، صفی پور (اناؤ)
ابو العلائی اسٹیم پریس ، آگرہ
۱۳۳۲ھ
مختلف حالات و واقعات پر کہی ہوئی تاریخوں کا مجموعہ

تاج سخن
فصاحت جنگ جلیل جلیل مانکپوری
نظامی پریس ، لکھنؤ ۔
۱۳۵۰ھ
قطعات تاریخ ص ۱ ۔ ۵۰ (آخر میں)

تاریخ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۶
ایچ اے آر گب
پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۹۵۹ء ۔
صفحہ ۳۶ سے ››

تاریخ الاسماء ص : ۱۷۸
سید ابرار حسین ہاشمی فتحپوری
نظامی پریس ، آہنی پھاٹک ، لکھنؤ
۱۹۳۸
مردوں ، عورتوں کے تاریخی نام بنانے کی کتاب

تاریخ امام ہدا ص : ۳۸
نواب باقر علی خان تجلی
مطبع عباسی لکھنؤ
۱۳۰۳ھ ۔ ۱۸۸۶ء
تاریخ گوئی میں منحنوں کا بیان دائرے بنا کر اپنا موقف سمجھایا گیا ہے ۔ آخر میں ائمہ معصومین کی وفات پر تجلی صاحب کے کہے ہوئے قطعات تاریخ

تاریخ رفتگاں
صابر براری
ادارہ فکر نو ، کراچی
۱۹۹۶ء

تاریخ لطیف
مہدی علی خانی ممتاز رامپوری
مشمولہ نگار رامپور ۔ جولائی ۱۹۶۳
۱۹۲۱ء ۔ ۱۳۳۹ھ

تاریخ ہای پیدائش و وفات
محمد سعید حسرت عظیم آبادی
خدا بخش اورینٹل لائبریری ، پٹنہ
۱۹۸۲ء

تاریخوں کے پھول ص : ۸۹
اسد اللہ حسینی
شمس المطابع ، حیدر آباد دکن
۱۳۳۹ھ

تاریخی خزانہ ص : ۴۰
حافظ فیروز الدین ککے زئی ۔
اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ۔
۱۹۰۸ء

تحقیق سخن جدید ص : ۶۳
شفق رضوی عماد پوری
مطبع سلیمانی شاہ کی املی پٹنہ سٹی
۱۳۳۹ھ ۔ ۱۹۲۰ء
الف ممدودہ ، تائے مدورہ و تائے دراز اور ہمزہ پر اپنا موقف واضح کیا ہے ۔ کتاب میں چند دوسرے موضوع بھی شامل ہیں ۔

تواریخ اکمل
محمد شاہ عرف فقیر محمد فدا
مطبوعہ بمبئی
۱۳۰۸ھ

تواریخ مبین (آیات کمال) ص : ۵۳
حکیم سید محمد مہدی کمال
مطبع تصویر عالم لکھنؤ
۱۳۲۲ھ
حضرت جلال کے فرزند کی کہی ہوئی تاریخیں

جان سخن
وضاحت جنگ جلیل مانکپوری
مطبع شاہی لکھنؤ
۱۳۳۶ھ
قطعات تاریخ ص ۲۱۱ ۔ ۲۵۶

جمیع التواریخ ص : ۲۷۲
قاضی محمد تحسین صدیقی ، بیدل بجنوری
دی پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ ۱۷۶ ۔ انار کلی لاہور
۱۳۷۱ھ
مختلف واقعات کی تاریخوں کا مجموعہ

جنتری صد سالہ
نامی پریس ، لکھنؤ
اپریل ۱۹۳۸ء بار ششم
عیسوی ، ہجری ، فصلی ، بکری سنین
کی مطابقت دی گئی ہے ۔

حضرت امام الفن ص : ۵۳ ۔ ۷۲
قاضی ابو العلائی عارف
مکتبۂ عزیزیہ ، حویلی قدیم ، حیدر آباد دکن

۱۹۴۷ء
حضرت جلیل مانکپوری کی وفات پر مختلف حضرات
کے قطعات تاریخ

خزینۃ الاصفیا
مفتی غلام سرور لاہوری
طبع لکھنؤ ۔
۱۸۷۳ء

دانش
رائزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران ، اسلام آباد
۱۹۸۷ء

دفتر تاریخ (حصہ دوم) ص : ۵۳
سید محمد جعفر علی خان
للمن پریس فرخ آباد
سن ندارد

دفتر تاریخ حصہ پنجم ص : ۷۲
سید محمد جعفر علی خان
فخر المطابع ، لکھنؤ ۔
۱۹۱۳ء

دفتر تاریخ حصہ ہفتم ص : ۱۰۳
سید محمد جعفر علی خان
ریاض المومنین پریس ، کاظمین لکھنؤ
۱۹۱۸ء
مختلف مواقع پر کہے گئے قطعات تاریخ

دیوان بیمثال ، آثار خیال (ثمرہ فصاحت)
عباس حسن فصاحت
نولکشور لکھنؤ ۔
1925
قطعات تاریخ صفحہ ۴۹۶ سے ۵۲۴ تک

دیوان تواریخ ص ۱۸۰
سید آل محمد
نورالانوار ۔ آرہ
۱۲۸۸ھ
سید آل احمد کے کہے ہوئے قطعات تاریخ

ذکر غم ص : ۸۶
سید انور علی شاد
ممتاز ادب ۔ پرچم پریس ، حسن علی آفندی روڈ
کراچی
۱۹۶۰ء ۔ ۱۳۸۰ھ
حضرت شاد بے پوری کے مختصر سوانح حیات ترویج
تاریخ گوئی پر اظہار خیال اور ان کی وفات پر قطعاتِ
تاریخ

رہنمائے تاریخ اردو ص : ۱۵۰
محمد عبدالقادر ۔
معارف اعظم گڑھ ۔

ریاض انور
مولانا اجیرالدین محمد ۔
مطبع نظامی ، کانپور ۔
۱۲۹۹ھ ۔ ۱۸۸۲ء

سرودِ غیبی مسمٰی بہ خیابانِ تواریخ ص : ۱۳۲
سید محمد علی جویا مراد آبادی
نولکشور ، لکھنؤ
اکتوبر ۱۸۹۱ء
اردو میں تاریخ گوئی کی پہلی کتاب جس میں فن تاریخ
گوئی اور اس کی قسموں ، صنعتوں اور تعمیہ تخرجہ
کے متعلق مفید بحث موجود ہیں ۔

سید آل رضا ص ۵۰ ۔ ۶۱
ضمیر اختر نقوی
ابن حسن آرٹ پریس ، کراچی
۱۹۷۸ء
قطعات تاریخ بر وفات سید آل رضا لکھنوی

شاہد غم ص : ۹۶
مرزا محمد تقی جاہل ، سائل دہلوی
ہیرا لال پریس ، بے پور
۱۹۳۱ء
حضرت سائل دہلوی کی وفات پر مختلف شعرا کا نذرانہ
عقیدت مرتبہ سید انور علی سانبھری

شعاع مہر ص ۲۳۶ ۔ ۲۵۵
ناراشن پر شاد ورسا مہر جانشین حضرت داغ دہلوی
مطبع محمدی ، بھنڈی بازار ، بمبئی ۔
۱۹۳۶ء
اشاعت دیوان کی تاریخیں

صحیفہ تاریخ ۴۲
محمد حسن خان میرانی
اردو اکیڈمی ، بہاولپور
۱۴۰۴ھ

صد سالہ جنتری ۱۹۰۱ تا ۲۰۰۰
حاجی محمد جہانگیر
جہانگیر بک ڈپو اردو بازار لاہور
۱۹۷۶ء

صدو التاریخ معروف بہ زنبیل تاریخی ص : ۳۳۶ : ۲
سید انوار حسین تسلیم سہسوانی
نیر اعظم پریس ، مراد آباد
۱۹۰۲ء ـ ۱۳۲۰ھ
بم صدو الفاظ (۱ ـ ۲۰۲۰)

عروض ، قافیہ و تاریخ گوئی ص : ۱۱۳
سید حسن کاظم عروض
مطبع کا نام درج نہیں ـ
سن ندارد
ناشر : محمود عالم فرزند سید حسن کاظم عروض
تاریخ گوئی پر مدلل بحث ، عروض وقافیہ پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے ـ
قاعدہ ابجد و شمار اعداد حروف مکتوبی ، اقسام تاریخ (صوری و معنوی) کو مثالیں دے کے واضح کیا ہے ـ

عزالتواریخ
اصغر حسین نامی
حیدر آباد دکن
۱۳۲۵ھ ـ ۱۹۰۷ء

عندلیب تواریخ ۲۱۶
سید مسعود حسن مسعود
ادارہ انیس اردو ، الہ آباد
۱۳۸۳ھ

غرائب الجمل ص : ۲۰۸
شمس العلماء احمد عبدالعزیز ولا ، عزیز جنگ بہادر
عزیز المطابع ، عزیز باغ ، سلطان پورہ ، حیدر آباد دکن
۱۳۲۵ھ
فن تاریخ گوئی پر ایک مبسوط تالیف

فن تاریخ گوئی ص : ۲۱۶
کیپٹن منظور حسین
گلوب پبلشرز ، اردو بازار لاہور
۱۳۸۷ھ
فن تاریخ گوئی پر اردو میں پہلی جامع کتاب ـ
تعارف : ارشد میر صاحب ، ایڈوکیٹ گوجرانولہ
پیش لفظ : پروفیسر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب ایم ـ اے ـ پی ایچ ـ ڈی ، ڈی لٹ ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ـ

قطعات تاریخ
شان الحق حقی ـ
مشمولہ سہ ماہی "اردو" کراچی ـ
۱۹۸۵

قطعات تاریخ پیدائش و وفات
محمد سعید حسرت عظیم آبادی
مشمولہ خدا بخش لائبریری جرنل نمبر ۹ ـ پٹنہ

قطعات تاریخی
سیدالرحمن رہبر کانپوری
مطبوعہ کراچی
۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء

کان تاریخ ص : ۱۶۰ ، ۲
منشی رام پرشاد ظاہر
مطبع انوری آگرہ
۱۲۸۲ھ
ہم عدد الفاظ (۱-۱۳۳۱)

کتاب کی تاریخ ۲۸۰
شاہاں قدوائی
ترقی اردو بیورو نئی دہلی
۱۹۹۰ء

کلیات فخر ص : ۲۸۰ ، ۱۸ ، ۲
حکیم مولوی محمد شریف فخر عظیم آبادی
سلیمانی پریس ، پٹنہ سٹی
۱۳۳۱ھ
فخر عظیم آبادی کی کہی ہوئی تاریخوں کا مجموعہ ۔

کنز تواریخ ص : ۵۰
مولوی عبدالغفور نساخ
مطبع نظامی ، کانپور
۱۲۹۴ھ

کنز تواریخ ۶۰
شاہ غلام یحییٰ عظیم آبادی
خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری ، پٹنہ
۱۹۸۲ء

کلیات نعت مولوی محمد محسن (کاکوری) ص :
۲۵۶
مرتبہ مولوی محمد نور الحسن
نامی پریس کانپور
۱۳۲۳ھ
قطعات تاریخ ص ۲۱۵ سے ۲۵۶ تک ہیں ۔

گلبن تاریخ ۶۹۴
حکیم مہدی حسین رضوی ، الم
فخر نظامی ، حیدر آباد دکن
۱۸۹۵ء
ہم عدد الفاظ (۱ - ۲۰۰۰)

گلشنِ خیال ص : ۲۲۸ ، ۲
مولوی محمد سعید بن مولوی محمد رحیم ہمت خانی
نولکشور ، لکھنؤ
۱۸۸۰ء ۱۲۹۷ھ
ہم عدد الفاظ کی لغت ۔ (۱ — ۱۹۵۴)

گلشنِ مشاہیر ص : ۶۵ — ۱۰۰ — ۲
مفتی محمد غلام سرور لاہوری
مطبع افغانی ہال بازار ، امرتسر
۱۳۰۹ھ
اسی مطبع کی 'چمن بے نظیر' کا دوسرا حصہ گلشن مشاہیر ہے

گنج تواریخ ص : ۸۷
مولوی عبدالغفور نساخ
نولکشور ، لکھنؤ
۱۸۷۵ء

گنجینۂ تاریخ ص : ۵۶
شفق رضوی عماد پوری
آزاد پریس ڈالی گنج ، لکھنؤ
۱۳۳۹ھ
فن تاریخ گوئی پر مختصر بحث ہے ۔ ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۸ تک پیدا ہونے والے بچوں کے نام بھی دیئے ہیں ۔

گنجینۂ تاریخ   ص : ۲۱۶
(اسم تاریخی مرات الخیال)
حکیم میر نادر علی رعد
فخر نظامی ، حیدر آباد دکن
۱۸۹۵ء ، ۱۳۱۳ھ
ہم عدد الفاظ (۱ — ۱۹۰۰)

حزن فرن و ملال حصہ اول   ص : ۳۶
حصہ دوم   ص : ۳۲
حکیم سید علی محسن خان ابر
شام اودھ پریس ، لکھنؤ ۔
۱۹۰۱ء
جناب نفیس لکھنوی کی وفات پر کہی ہوئی تاریخیں جو معیار لکھنؤ میں طبع ہوئیں ۔ حصہ اول میں فارسی اور حصہ دوم میں اردو کی تاریخیں شامل ہیں ۔

گنجینۂ سروری معروف بہ اسم تاریخی "گنج تاریخ"
ص : ۲۲۰
مفتی محمد غلام سرور لاہوری
نولکشور ، لکھنؤ ۔
۱۸۷۷ء

مجموعہ تاریخ معروف بہ
تاریخ آئینہ جمال   ص : ۱۲۹
سید محمد ہاشم ، محلہ دریبہ جون پور
اسرار کریمی پریس الہ آباد
۱۹۳۳ء
مختلف مواقع پر کہی گئی تاریخوں کا مجموعہ ۔ طبع کی تاریخ پروفیسر ضامن علی ایم ۔ اے صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی نے کہی ہے ۔

مخبر الواصلین ۔ ص : ۱۶۸
ابو عبداللہ محمد فاضل معروف بہ مظہر الحق
مطبوعہ کلکتہ ۔
۱۲۴۹ھ — ۱۸۳۳ء

مراۃ الصنائع
محمد عزیز اللہ عزیز چشتی
ابو العلائی اسٹیم پریس ، آگرہ
۱۳۳۲ھ

مساوی الاعداد
میر محمد حسین حیدر آبادی
فیض عام پریس ، حیدر آباد دکن
۱۲۸۵ھ — ۱۸۶۸ء

مشاہدۂ ریاض
محمد ریاض الدین
حمیدیہ پریس ، حیدر آباد دکن
۱۳۶۶ھ — ۱۹۴۷ء

معاون تواریخ   ص : ۳۹۳
محمد زبیر فاروقی ، شوکت الہ آبادی
۱۰/ جی ، بلاک نمبر ۲ ۔ پی ۔ ای ۔ سی ایچ سوسائٹی کراچی
۱۹۸۵ء
مساوی الاعداد الفاظ کا مجموعہ ہے ۔ مولف نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں ام التواریخ سے کافی استفادہ کیا ہے ۔

معیار التواریخ ص : ۲۸
جعفر علی خان اثر
ریاض المومنین پریس لکھنؤ
۱۳۴۳ھ — ۱۹۲۳ء

مفتاح التواریخ
سردار گوردیال سنگھ بھولا ، ایڈوکیٹ امرتسری
کتب خانہ انجمن ترقی اردو ، جامع مسجد ، دہلی
۱۹۵۸ء
اس کتاب میں سنِ ہجری ، فصلی ، پارسی ، بکری وغیرہ کے مقابلہ کی تاریخیں دریافت کرنے کے طریقے درج ہیں ۔

مفتاح التواریخ ص : ۳۱۸
ولیم ییل
نولکشور لکھنؤ ۔
۱۲۸۴ھ

مطلع تاریخ ص : ۸۸
سردار اودھم سنگھ امرتسری
خادم التعلیم اسٹیم پریس ، امرتسر
۱۹۱۲ء
تاریخ گوئی کے جملہ نکات پر بحث صوری و معنوی تاریخوں کی تعریف تاریخ گوئی میں مختلف صنعتوں کا بیان ۔ تاریخ گوئی کی تاریخ پر مختصر تبصرہ

معین الادب معروف بہ معین الشعرا ص : ۵
۱۳۰۲٫۲۰
غلام حسین خان آفاق بنارسی
صدیق بک ڈپو ، لکھنؤ
۱۳۵۲ھ
یہ تذکیر و تانیث کا لغت ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر لفظ کے اعداد بھی دیئے گئے ہیں ۔

ملخص تسلیم ص : ۱۲۰
سید انوار حسین تسلیم سہسوانی
منشی شاکر حسین نکہت برادر زادہ حضرت تسلیم مغفور نے نیر اعظم پریس ، مراد آباد سے شائع کیا ۔
۱۳۱۴ھ
فارسی زبان میں تاریخ گوئی کی بے مثل کتاب جو افادۃ التاریخ کے جواب میں لکھی گئی ۔

ملہم تاریخ (ملخص تسلیم کا اردو ترجمہ) ص : ۱۱۸
اقتدار احمد ساحر سہسوانی
مطبع مطلع العلوم ، مراد آباد
۱۳۲۹ھ
ملخص تسلیم کے آخری باب "مخترعات مصنف" کا ترجمہ نامکمل ہے ۔

موجد التواریخ
محمد حسن علی فرحت
شگوفہ پریس ، میرٹھ
۱۳۰۲ھ — ۱۸۸۵ء

مہتاب داغ
نواب مرزا خان داغ دہلوی
مجلس ترقی ادب ، لاہور
سن ندارد
قطعات تاریخ ص ۳۶۰ — ۴۹۸

نجم ماہ پیکر
خواجہ محمد افضل جہانگیر نگری
یوسفی پریس ، ڈھاکہ
۱۳۱۰ھ — ۱۸۹۲ء

نصیحت مختصر ص : ۱۶
شاہ علیم اللہ آبادی
البلاغ ، لکھنؤ
۱۳۰۵ھ — ۱۸۸۸ء

نگارستان اشعار
عبدالصمد ، صارم سیوہاروی
مطبوعہ دہلی
۱۳۵۴ھ — ۱۹۳۵ء

یادگار شاطر عرف جذبات دل آشفتہ/۱۹۳۶ء ص : ۴۴
بابو بیلی رام شاطر امرتسری
لکشمی آرٹ پریس ، پشاور
۱۹۳۶ء
تاج الشعرا شاطر امرتسری کی وفات پر تاریخوں کا مجموعہ

اشاریہ اشخاص

مرتبہ

سید جمیل احمد رضوی

ا

ب

ت

ث

ج

ح

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ن

و

صورت میں منکشف ہوئی جو ابجد قومی کہلاتی ہے ۔ یہی ابجد قومی ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد ہے ۔ مغربی تہذیب نے حروف کی کوئی قیمت متعین نہیں کی، اس لیے وہاں یہ فن نشوونما نہ پاسکا ۔" انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ فنیقی اور سریانی زبانوں میں حروفِ تہجی کی قیمت صرف چار سو تک تھی ۔ عربوں نے اپنے ابجد میں 'ثخذ' اور 'ضظغ' کا اضافہ کر کے اسے ایک ہزار تک پہنچا دیا ۔ ایران اور برصغیر پاک و ہند میں جب تاریخ گوئی کا رواج ہوا تو فارسی اور اردو حروف کو ابجد کی طرز پر تبدیل کر دیا گیا ۔ ایرانیوں نے بھی یہی کیا تھا اور فارسی آوازوں مثلاً پ، چ، ژ اور گ کو عربی حروف ب، ج، ز، ک کا متبادل قرار دے دیا تھا؛ اسی طرح اردو اہلِ علم نے ہندی الاصل حروف ٹ، ڈ، ڑ کو ت، د، ر کا ہم قیمت قرار دے دیا ۔ یہی صورت آج تک چلی آتی ہے ۔

فن تاریخ گوئی کے سلسلے میں کسریٰ منہاس صاحب نے لکھا ہے کہ تاریخ گوئی کی بنیاد حروفِ ابجد پر صوت و تلفظ کے اعتبار سے نہیں بلکہ کتابت کے اعتبار سے قائم ہے ۔ ہمارے ہاں الف اور عین کا صوتی فرق ادا نہیں کیا جاتا لیکن جب تاریخ نکالتے ہیں تو کتابت کے مطابق حرف کی قیمت مقرر کرتے ہیں ۔ 'الف' کا ایک اور 'ع' کے ستر شمار کرتے ہیں اور بتایا ہے کہ تاریخ گوئی میں کتابت کو بنیاد قرار دینا ہی درست ہے ۔ اسی طرح عیسیٰ، موسیٰ اور اسحٰق میں الف خنجری کا شمار حرف میں نہیں ہوتا ۔ ہمزہ کے عدد کی بحث بھی دلچسپ اور مفید ہے ۔ تاریخ گوئی کے متنازعہ مسائل کو الگ باب کا موضوع بنایا گیا ہے ۔ ایک باب میں غالب کی تاریخ گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

فنِ تاریخ گوئی کے نکات اور اصول و قواعد بیان کرتے ہوئے فاضل مصنف نے مختلف ادوار میں لکھی جانے والی بہترین تاریخوں کو بطور مثال پیش کیا ہے اور ان کتابوں کو بھی متعارف کرایا ہے جو اس فن پر پہلے لکھی جا چکی ہیں ۔ کسریٰ منہاس صاحب کی اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فکر و بیان کی سطح پر کسی قسم کا ابہام نہیں ہے ۔ ہر بات مصنف کے ذہن میں واضح ہے اور انھیں اپنی بات کو صفائی کے ساتھ بیان کرنے پر قدرت بھی حاصل ہے ۔ اسی وجہ سے ایک عام آدمی بھی اس کتاب کو پڑھ کر فنِ تاریخ گوئی سے متعارف ہو سکتا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ علمی حلقوں میں یہ کتاب نہ صرف پسند کی جائے گی بلکہ اس فن کے دوبارہ رواج کا سبب بھی بنے گی ۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں کسریٰ منہاس صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ خدا انھیں تادیر سلامت رکھے ۔

ڈاکٹر جمیل جالبی

[اسلام آباد: ۲۷ ؍ ستمبر ۱۹۹۲ء]

کسریٰ منہاس